بسم اللہ الرحمن الرحیم

الفقیر

خادم غوث الرفاعی
الحاج الحرمین شریفین فقیر سید محبوب جیش اللہ شاہ قادری سر خلیفہ الرفاعی احمدیہ القادری
گھر نمبر 2747 چاپیٹ ڈوڈبالاپور 561203 ضلع بنگلور کرناٹک انڈیا۔

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفقر فخری والفقر منی

فرمائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الفقر فخری والفقر منی

الفقر پر مجھے فخر ہے کیوں کہ الفقر مجھ سے ہے۔

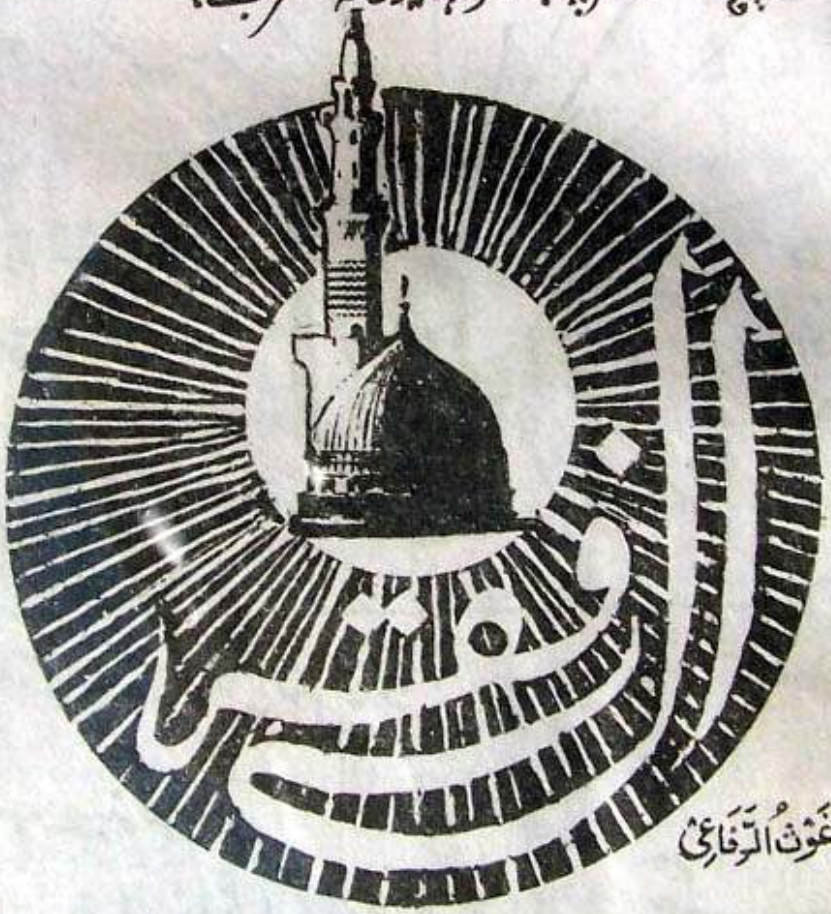

خادم غوث الرفاعی

الحاج الحرمین الشریفین فقیر سید محبوب جیش اللہ شاہ قادری سر خلیفۃ الرفاعی احمدیۃ القادری
ابن منہاج السالکین وزبدۃ المشائخین عارف باللہ الحاج فقیر سید غوث اللہ شاہ احمدیۃ القادری الرفاعی
گھر نمبر 2747 چکپیٹ ڈوڈبالاپور 561203 ضلع بنگلور کرناٹک انڈیا۔

۷۸۶

فہرستِ مضامین

		صفحہ نمبر
۱	التماس	۳
۲	حمدِ شریف	۶
۳	نعتِ شریف	۷
۴	آدمؑ	۸
۵	آدمؑ تصوف کی نظر میں	۴۵
۶	فقیر	۵۲
۷	الفقر	۹۱
۸	برزخ لا	۱۳۶

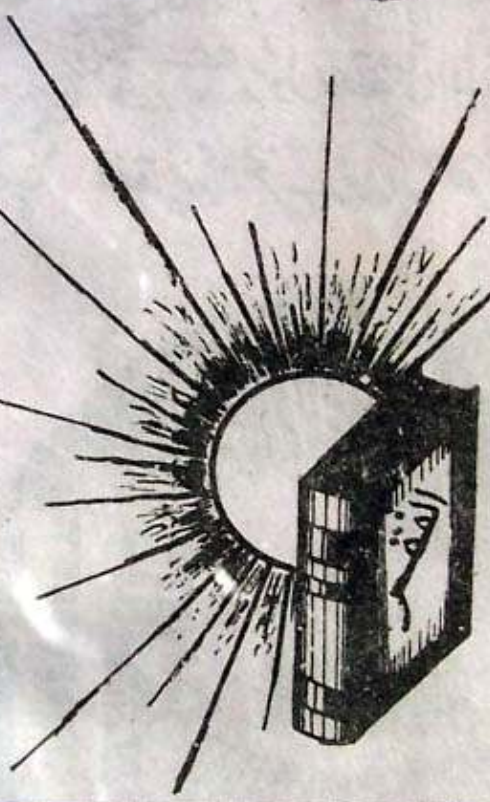

بارِ اوّل ۳۲۰۰ عدد

کتب ملنے کا پتہ :

۱. غوث الرفاعی بک ہاؤز نمبر 2747 چک پیٹ
ڈوڈ بالاپور 561203 کرناٹک۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یا فاتح

التماس

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ شَفِیْعِ الْمُذْنِبِیْنَ رَحْمَۃِ الْعَالَمِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ وَاَزْوَاجِہِ الْمُطَھَّرَاتِ وَاٰلِ وَاَوْلَادِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ وَصَلِّ عَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی کُلِّ مَلٰٓئِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَعَلٰی فُقَرَاءِ وَمَسَاکِیْنَ وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ وَالطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ اَجْمَعِیْنَ ۝ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ ۝

مابعد! اس معبود و مشہود و موجود کی بارگاہ میں نثار ہو جس کے ہاں بیان و کلام کے سارے نغمات زبانوں کی شاخوں پر حمد و ثناء کی نواؤں سے ادا کرنے اس کے انعام و اکرام کی علامت مانی گئی ہے۔ وہ شکر گزاروں کی آنکھوں کی پتلیوں کا نور ہے۔ یہ سارے نور اسی ذات کے الہام کے شعلہ کی کرنیں ہیں۔ انسانی اندیشہ کی بصیرتِ نگاہ اُس کی ذات احدیت کے نظارے سے قاصر و عاجز ہے۔

اے معبود و موجود تیرے جمال کے آفتاب سے اشراقات کے سارے درخشاں ہیں۔ تیرے ہی حسن و جمال کے فضائل کے چمن کی جانفزا خوشبوؤں سے عارفوں کے دلوں کے میدان باغ باغ ہیں۔ شکر خداوندی کہ اس کے بلند برجوں کے مطالعہ سے اس کے لطف و کرم کے انوار کی شعاعیں آسمان جود و کرم پر نمودار ہونا شروع ہوتی ہے اپنے برگزیدہ بندوں کو شرفِ قربت سے سرفراز فرماتا ہے۔ اگر وہ بوریا نشین فقیر یا درویش بھی ہو تب بھی کوئی سلطانِ وقت اس کی عزتِ نفس کو خرید نہیں سکتا۔

معزز حضرات! صوفیاءِ کرام و فقراءِ کرام و محبانِ عرفان و جمیع جمع اللہ پاکبازاں کی خدمت میں عرض گذارش ہے کہ ایک مدت سے مریدین اور چاہنے والے اور اہلِ طریق فقراءِ کرام "فقیری" کے سلسلے میں کوئی کتاب منظرِ عام پر لانے کیلئے کہتے اور لکھتے رہے، ویسے ہمارے دیگر کتب سب کے سب تصوف سے بھرپور ہیں اور ہر کتاب میں "فقیر اور فقیری" کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور قلم بند ہے، ہمارے کتب کا گہرائی سے مطالعہ کریں تو اہلِ تصوف اور اہلِ طریقہ اپنی منزل کے ساتھ ساتھ کہیں سے کہیں پہنچ جائیں پھر بھی اور مزید روشنی کے ساتھ "فقیر" کی ذات کی بات آئی تو بارے تعالےٰ نے فقیر کے دل میں یہ بات ڈالی کہ اس کے متعلق ایک کتاب لکھی جائے۔ ناچیز حقیر فقیر اپنی کم علمیت کا اعتراف کرتے ہوئے بارگاہِ ایزدی میں سربسجود ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے پیارے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں تصوف پر ایک اور کتاب لکھنے کا موقع عطا فرمایا۔ یہ ناچیز اپنی کم استطاعت و بے بضاعت کے باوجود اہلِ طریقہ اور اہلِ تصوف کی خدمت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے بہت سے بزرگانِ دین کے تصانیفات کا مطالعہ اس کتاب کے سلسلے میں کیا اور ان سے بہت انمول اشارے پائے۔ اور انہیں آسان کر کے اور جو کچھ بھی بزرگانِ دین و فقراءِ کرام کی خدمت کر کے اور بزرگوار حضرت والد صاحب قبلہؒ اور پیر و مرشد کی صحبت میں رہ کر حاصل کیا۔ اِن سب چیزوں کو جو "فقیری" کے متعلق تھے ایک جاہ کر کے آسان سے آسان اردو زبان سے تاکہ ناظرین کے پڑھنے اور سمجھنے میں آسانی ہو اس کتاب کو لکھ کر اس کو "الفقر" کے نام سے موسوم کر کے آپ حضرات کی خدمت میں نذر کیا ہے۔ جو آپ اہلِ تصوف حضرات کے ہاتھوں میں موجود ہے۔

معزز حضرات و ناظرینِ کرام سے بے حد التماس ہے کہ اگر آپ حضرات اس کتاب میں کہیں چوک بھول ملاحظہ فرمائیں تو ازراہِ کرم درست فرما کر چشم پوشی فرمائیں اور ضرور آگاہ کریں تاکہ آئندہ توجہ دی جائے۔ اور اگر آپ حضرات اس سے فائدہ حاصل کریں تو اس خاکسار حقیر فقیر کو ضرور اپنی دعاؤں میں یاد فرمائیں اور اپنی دعائِ خیر سے بھول نہ جائیں

شکر ہے پاک پروردگار کا جس نے عارفوں کے دلوں کو ہدایت اور

خدا شناسی کے نور سے پُر نور فرمایا اور صادقوں کے سینوں کو صدق اور کامل یقین کے ساتھ کھولا۔ اور فقراء کرام کو اپنے مقرب کرتا ہوا منزلِ "اَلْفَقْرُ" میں محو فرمایا اور وحدانیت کے دائرے میں شامل کر کے عجیب قدرتوں سے سرفراز فرمایا۔

اللہ رب العزت کا کتنا بھی شکر ادا کریں کم ہی ہے کہ اُس نے اِس حقیر فقیر کو سال ۱۹۹۰ء ۱۴۱۰ھ ہجری کا بھی حج مبارک ادا کرنے کا پھر سے موقع عنایت فرمایا اور اس کے پیارے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ مبارک کی حاضری نصیب فرمایا اور اُس کے ساتھ ساتھ بغداد شریف نجف اشرف و کربلا معلیٰ بھی جانا نصیب کیا۔ ناچیز فقیر کا یہ چوتھا حج شریف تھا اور حج بیت اللہ کے ساتھ ساتھ عراق اور دیگر دوسرے ممالک کا مبارک سفر بھی چوتھی مرتبہ نصیب ہوا۔ یہ سب اللہ پاک کا فضل و کرم اور حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں بزرگان دین اور آپ حضرات کی دعاؤں کا نتیجہ ہے ورنہ فقیر تو بالکل عاجز ہے۔

ناچیز فقیر کی عاجزانہ التماس ہے کہ یا اللہ رب العلمین بوساطت آقا نامدار شفیع المذنبین رحمت اللعالمین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور آپؐ کی آل و اولاد و اصحابؓ و فقراء کرام کے صدقے میں اس کتاب کو اپنی بارگاہِ ایزدی میں قبول فرمائیں اور اس کو دونوں جہاں میں روشن فرمائیں۔ آمین اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَاءِ

خادمِ غوث الرفاعی

الحاج فقیر سید محبوب جیش اللہ شاہ سر خلیفۃ الرفاعی احمدیۃ القادری
گھر نمبر 2747 چکپیٹ ڈوڈ بالاپور ضلع بنگلور (کرناٹک)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد شریف

خدا پردے میں آکر خود چھپا معلوم ہوتا ہے
اسی باعث احد احمد ہوا معلوم ہوتا ہے

اگر وحدت کا جلوہ دیکھنا کثرت میں لازم ہے
فنا فی اللہ ہو بندہ خدا معلوم ہوتا ہے

انا الحق کہہ کر منصور گو چڑھ گئے سولی
جو حق پر ہیں انہیں برحق کہا معلوم ہوتا ہے

مقام وصل میں قطرہ اگر حاصل ہو دریا سے
تو قطرہ اور دریا یکساں تھا معلوم ہوتا ہے

حقیقت کو انا من نور کو تحقیق کرنے سے
خدا جانے مقدر کا لکھا معلوم ہوتا ہے

خودی کو چھوڑ بے خود ہو نظر اندر نظر کرے
صفات و ذات اور انت انا معلوم ہوتا ہے

جو ہیں جوہر شناساں اُن سے کہنا گوہر مضمون
سخن تحریر کا کھوٹا کھرا معلوم ہوتا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نعتِ شریف

ویرانۂ دل پھر سے سنور جائے محمدؐ
جو آرزوئے دل مری بر آئے محمدؐ

کیا غیر کا جلوہ مری آنکھوں میں سمائے
سر میں تو بھرا ہے مرے سودائے محمدؐ

بے ساختہ طیبہ کی طرف اٹھتی ہیں نگاہیں
جب طالبِ دیدار کو یاد آئے محمدؐ

رویا میں بہت سروِ گلستاں کو لپٹ کر
یاد آیا مجھے جب قدِ رعنائے محمدؐ

میں سرمہ سمجھ کر اسے آنکھوں میں لگا لوں
مل جائے اگر خاکِ کفِ پائے محمدؐ

مدت سے تمنا ہے دکھا دے مجھے اب تو
اے جذبۂ دل صورتِ زیبائے محمدؐ

یہ عرض مری اب تو ہو مقبول خدا
جو کام بگڑتا ہے وہ بن جائے محمدؐ

لکھنے سے بھی عاجز رہا اب خامۂ قلبی
ظاہر ہو تو کیوں کر ہو تمنائے محمدؐ۔

آدم علیہ السلام

کُنتُ کَنزاً مَخفِیاً	میں ایک چھپا ہوا خزانہ، پس میں نے
فَاَحبَبتُ اَن اُعرَفَ	دوست رکھا اس بات کو پہچانا جاؤں
فَخَلَقتُ الخَلقَ ۔	پیدا کیا میں نے خلق کو ؛

چھپا ہوا خزانہ ظاہر میں آنے کیلئے بیتاب ہے اور اپنے آپ کو اس بات پر دوست رکھتا ہے کہ پہچانا جائیں اور وجود میں لاتا ہے خلقت کو۔

اللہ ربّ العلمین اپنے تختِ غیب و عزت پر جلوہ فرما تھا اپنی عظمت و جلال کے کبریائی پردوں کے پیچھے ہی تھا ابھی حجاب و اخفا کے نقابوں میں ہی تھا اور کُنتُ کَنزاً مَخفِیاً۔ اس نے چاہا کہ اپنے انوارِ مقدس جو چوں و چرا کی کیفیت سے معرا تھے اور اپنی رحمت و ربوبیت کے مطلع پر اپنے جلال و جمال کی صفات کی چند شعاعیں ظاہر فرمائیں

فَاَحبَبتُ اَن اُعرَفَ کی توضیح کرنا چاہی تو اپنی حکمت اور قدرتِ کاملہ سے موجودات کے ابتدائی آثار ظاہر کرنے شروع کئے۔ فَخَلَقتُ الخَلقَ وجود میں لانے لگا خلقت کو اور گواہ رکھا اپنے آپ کو تاکہ پہچانا جائے۔

آیئے آدمؑ کو تصوّف کے دائرے سے دیکھنے سے پہلے قرآن و حدیث کی روشنی میں میں آپؑ کی ظاہری وجودِ عالم میں آنا اور آپؑ کی زندگی کے متعلق کچھ روشنی ڈالیں ؛

اللہ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ کے نور ہی میں سب جلوئے موجود ہیں اور اس واحد نور کے سوا کہاں سے کہاں تک اور کچھ بھی نہیں۔ اس نور میں جب یہ ارادہ پیدا ہوا

کہ ظاہر ہو دیں تو اسی نورِ وجود میں ایک وجود، وجود میں آیا وہ بھی نور ہی نور تھا اور جب ربّ العٰلمین نے اس نور پر توجہ کیا تو وہ اسکو بہت ہی عزیز لگا۔ اس نور کو ربّ العٰلمین نے کئی ہزار سال اپنے دید میں رکھا اور توجہ کو قائم کیا تو وہ نور "اللہ" کے اسرار سے بھرپور ہونے لگا اور اس نور میں بھی وہی کیفیتیں آکر سمانے لگیں اور یہی نور نورِ محمدیؐ ہے۔ اور جب نورِ محمدیؐ کل بھیدوں اور خزانوں سے بھرپور ہو گیا تو فرمایا۔ اَنَا مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ تعالیٰ کُلُّ شَیْءٍ مِنْ نُوْرِیْ میرا نور اللہ تعالیٰ کے نور سے ہے اور کل شئے میرے نور سے ہیں۔ یہ فرمانِ نورِ محمدیؐ کسی بھی فرمان سے پہلا فرمان ہے۔ کُنْ۔ فَیَکُوْنَ۔ کی منزل اس کے بعد کا مقام ہے۔ لَوْلَاکَ لِمَا خَلَقْتُ اِلَّا فَلَاکَ۔" اس نور کی تعریف ہے جو ربّ العزّت نے فرمائی۔ رسولِ خداؐ نے فرمایا۔ "اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ تعالیٰ مِنْ نُوْرِیْ" سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا"۔ نورِ محمدیؐ میں جب کل بھید اور راز سما گئے تو وہ حجابات سے باہر آنے لگا تو خالق کائنات کو ارادہ ہوا کہ اس نور مجسم کے جلوں کو ظاہر کیا جائے تو اسی نورِ اعلیٰ نور سے کل کائنات کو وجود میں لایا۔ اور آسمانوں کو ستاروں سے سجایا اور نظام شمسی قائم کیا اور اسی نظام شمسی کے دائرے میں زمین کی گردش کو قائم کیا اور زمین کو خوبصورت سے خوبصورت شکل دی۔ نباتات، جمادات، چرند، پرند، اٹھارہ ہزار (۱۸۰۰۰) مخلوق سے اس گلشن کو گل و گلزار کیا۔ یہ کرۂ عرض جنّت کا ایک ٹکڑا بنا ہوا تھا۔ اس میں رہنے والی مخلوق خوشحال تھی ہمیشہ ربّ العٰلمین کا شکر ادا کرتی تھی۔ باری تعالیٰ ان کے سردار کی آمد کی خبر دیا کرتا تھا۔ اور کل مخلوق "اشرف المخلوقات" اُن کے سردار کی آمد کے منتظر تھے۔ ابھی آدمؑ کا وجود وجود میں نہیں آیا تھا لیکن آقائے نامدار سردارِ دو عالم حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے سرفراز تھے اور آپؐ کے نورِ مبارک ہی سے ہر شئے وجود میں آرہی تھی اور زمین و آسمانوں پر روشن ہو رہی تھی۔ حضور پُرنورؐ نے فرمایا۔ "کُنْتُ نَبِیًّا وَّآدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ"۔ "میں اس وقت نبی تھا جبکہ آدمؑ ابھی پانی اور مٹی کے درمیان تھے"۔

الغرض کئی ہزار سال بعد دنیائے عالم کی سرزمین کے وسط میں جو خطۂ زمین کا مرکزی حصّہ ہے "ابو قبیس" کے پہاڑیوں کے دامن میں بحکم ربّ العٰلمین کل عالموں سے خاک مبارک

و نورانی ذرّات کو جمع کیا گیا، ان کو چشمۂ تسنیم کے پانی سے دھو کر بہشت کے نہروں میں غوطہ دیکر مصفّیٰ و مزکّیٰ کیا اور آسمانوں اور زمینوں میں اس کو گھمایا اور کَبَّ دحیٰ" کے مصداق اس کے پرتو سے تمام کائنات روشن ہوگئی۔ اور جب ارادۂ الٰہی ترتیب و ترکیب جسدِ آدمؑ کے لئے ہوا تو مجمع ملائکہ کو خطاب فرمایا گیا۔ "اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ" مشیتِ الٰہی اس کو چاہتی ہے کہ تخلیق جسد انسانی مٹی سے کیجائے اور یہ خطاب مبارک جس میں کہ ملائکہ سے بھی مشورہ کیا گیا تھا۔ "اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً۔" کہ فرمایا ربّ کریم نے فرشتوں سے کہ میں خطۂ زمین پر اپنا ایک با اختیار خلیفہ و نائب تخلیق کرنا چاہتا ہوں۔ اس مقام پر ایک تصوّفانہ بات یہ روبرو آتی ہے کہ آدمؑ کے وجود میں آنے سے پہلے ہی شکلِ آدمؑ کا تصوّر باریِ تعالےٰ کے ذہن میں آچکا تھا، یعنی آپ کا تصوّر خیال کے دائرے میں مقام پا چکا تھا۔ کیونکہ سب سے پہلے نقش ذہن میں آتا ہے اور بعد میں عکس وجود میں آتا ہے مطلب یہ کہ آدمؑ کیسے ہونگے کیا ہونگے یہ سب اور آپؑ کی تصویر پہلے دماغ میں آئی۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ابھی آپؑ وجود میں آئے بھی نہیں لیکن آپؑ کو اپنا خلیفہ اور نائب بھی بنا لیا گیا (یہ نکتہ بہت ہی گہرا ہے۔ انشاءاللہ آدمؑ "تصوّف کے دائرے سے" والی منزل میں اس پر اور گہرائی سے روشنی ڈالی جائے گی)

آدمؑ کو وجود میں لانے سے پہلے جب ربّ العٰلمین نے ملائکہ سے گفتگو کی اور مشورہ لیا تو ملائکہ نے اس امر پر یوں کہا۔ "اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ" یعنی کیا تو اسی قوم میں اپنا خلیفہ و نائب بنائیگا جنہوں نے زمین کو فتنہ و فساد سے بھر دیا۔" اور وہ قتل و خون ریزی کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں۔" اس منزل پہ دو باتیں بہت ہی لطیف یعنی باریک ہیں وہ یہ کہ پہلے تو فرشتوں کو کیسے وہ باتیں معلوم ہوگئیں جو ابھی تک تو ظاہر نہیں ہوئی تھیں۔ اور دوسری بات یہ کہ ملائکہ کی نظر صرف فتنہ و فساد اور قتل و خونریزی پر ہی کیوں گئیں۔ کیوں نہ اُن کے خوبیاں، اُن کے بلند کردار و مراتب پر گئیں۔ ملائکہ کی باتیں سننے کے بعد اللہ تعالےٰ نے خطاب فرمایا۔ "اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔" میں ان سب باتوں کو خوب جانتا ہوں

جو تم نہیں جانتے"۔ اس گفتگو سے یہ راز کا پتہ لگتا ہے کہ آدمؑ کے بھید سے صرف اللہ تعالےٰ ہی بخوبی واقف تھے اور ان کی حقیقت دوسروں پر آشکار نہ تھی۔ کیونکہ آدمؑ اللہ کی صورت پر ہی وجود میں آنے والے تھے۔ "اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ" اس بات کی دلیل ہے۔

آدمؑ کے پیدا ہونے سے پہلے اللہ ربّ العزّت نے کرۂ عرض کو اچھی طرح سجا رکھا تھا۔ زمین ہری بھری تھی اور کل مخلوق خوشحال۔ اس کو ایک خوبصورت گلشن بنا دیا تھا۔ چرند پرند ہر ایک اللہ تعالےٰ کی حمد و ثناء میں مست رہا کرتے تھے۔ لیکن جب سے جنّات کو اس سرزمین پر حکومت کرنے کا موقع اللہ تعالیٰ نے عطا کیا تھا تو جنوں کی اولاد و ذریت خطۂ زمین پر طغیانی و نافرمانی کا ارتکاب کرتی تھی اور حق تعالےٰ کی نافرمانیاں کیا کرتی تھیں۔ اور یہ نافرمانیاں بہت بڑھ گئیں تھیں۔ لہٰذا مختارِ کُل خالق و مالک نے اِن جنوں کے شر کے دفیعہ کیلئے فرشتوں کو مقرر فرمایا، لیکن جب جنّات کے شر بہت ہی زیادہ ہو گئے تو اللہ تعالےٰ نے حضرت عزرائیلؑ کی قیادت میں فرشتوں کے ایک بہت بڑے گروہ کو روانہ فرمایا۔ تاکہ وہ زمین پر جا کر اُن جنّوں کا مقابلہ کریں۔

حضرت عزرائیلؑ اپنے لشکر کے ساتھ جنّوں کا مقابلہ کیا اور بہت سوں کو کیفرِ کردار کو پہنچایا اور بہت سوں کو قید کر دیا، اور زمین کو پاک کیا۔ روایت ہے کہ انہیں قیدی جنّات اور چند جو اِدھر اُدھر چھپے رہ گئے تھے وہی ہر دور میں آدمؑ کی نسل کو پریشان کرتے رہتے ہیں۔ کیونکہ جنّات کو یہ علم ہو گیا تھا کہ اللہ تعالےٰ نے زمین کو جنّات سے اسلئے پاک کروا رہا ہے تاکہ آنے والے زمانے میں اس کے خلیفہ اور اُن کی نسل یہاں حکومت کر سکیں۔

انہیں جنّوں کی نسل میں ایک "ابلیسؑ" بھی ہے۔ ابلیسؑ جنّوں اور شیاطین کی نسل سے ہے، یہ بہت عبادت گذار تھا۔ اسکو عزازیل بھی کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے باپ کا نام "جبلیث" تھا جو جنّوں کا سردار تھا جس کی شکل شیر کی مانند تھی ابلیس کی ماں کا نام "نبلیت" تھا اور اس کی شکل بھیڑیے کے مانند تھی۔

بعض جگہ ایسا بھی آیا ہوا ہے کہ ابلیس یعنی عزازیل کے ماں باپ کی شکل بھیڑے اور سانپ کی سی تھی۔ اور یہ دونوں آپس میں حفتی کرتے تھے جس کے نتیجہ میں ابلیس کی پیدائش ہوئی۔ ابلیس اس کے باپ کی وجہ سے طعنوں کا شکار ہوا کرتا تھا لیکن یہ ہمیشہ عبادت میں ہی لگا رہتا تھا۔ اس کا انجام کچھ اس طرح ہوا کہ اس جن زادہ کو فرشتے قید کر کے آسمان پر لے گئے اور اُس نے وہیں آسمانوں پر نشو و نما پائی اور وہاں بھی ہمیشہ عبادت ہی میں لگا رہا کرتا تھا، اور دن بدن اپنی عبادت کے سبب ترقی ہی کرتا رہا اور علم کی دولت سے بہت مالا مال ہو گیا۔ یہاں تک کہ اس منصب پر فائز ہوا جو اسکی حیثیت سے بہت بلند تھا، اور وہ یہ کہ ملائکہ کا معلّم بنا اور انہیں تعلیم و تربیت دیا کرتا تھا، اور وہ بہت ہی عبادت گذار تھا۔ اُس نے طبقِ زمین پر ہزارہا سال عبادت کی اور عابد بنا رہا۔ اس نے دُنیا کی سطح و طبق پر اتنی عبادت کی کہ خطۂ زمین پر ایک کانٹے کی نوک پر بھی ستّر سجدے کئے۔ اس عبادت کے صلے میں اللہ رب العلمین نے اس کو دو پَر عطا کئے جو سبز زمردین کے تھے۔ اور وہ ان پَروں کی مدد سے جہاں چاہتا اُڑ کر پہنچ جایا کرتا تھا۔ اسی طرح وہ زمین میں گشت کرتا اور جب چاہتا آسمانِ اول پر جا پہنچتا اور وہاں کی سیر کیا کرتا تھا۔ ابلیس آسمانِ اوّل پر ہزار سال عبادت میں مصروف رہا۔ یہاں اس کا نام "زاھد" مشہور ہوا اور اپنی عبادت ہی کے سبب وہ آسمانِ اوّل سے آسمانِ دوم پر پہنچا اور یہاں ہزار سال اللہ کے سجدے کئے اور عبادت میں مصروف رہا اور اس کو آسمانِ دوم میں "عابد" کہہ کر پکارا گیا اسی طرح وہ اپنی عبادت ہی کے سبب تیسرے آسمان پر پہنچا اور یہاں بھی ایک ہزار سال اللہ کے سجدے کئے اور عبادت کرتا رہا یہاں اس کو "راکع" کے لقب سے پکارا گئے۔ اس طرح وہ ہر آسمان پر جاتا اور عبادت کرتا رہا اور اللہ تعالےٰ کے سجدے کیا کرتا تھا اور ہر آسمان پر مختلف ناموں سے پکارا جانے لگا۔ یہاں تک کہ وہ ساتوں آسمانوں پر عبادت کر کے فارغ ہوا تو رضوانِ جنّت نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی۔ اے معبود اگر تیرا حکم ہو تو

اس کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت ہو جائے تاکہ دوسرے ملائکہ بھی اس کی صحبت سے مستفید ہوں۔ ربّ العٰلمین نے رضوان کی بات کو منظور فرمائی اور عزازیل (ابلیس) کو بہشت میں داخل ہونے کی اجازت دیدی گئی۔ اور یہاں آکر وہ پہلے سے زیادہ عبادتِ الٰہی اور فرشتوں کی تعلیم و تربیت میں مشغول رہا۔

چونکہ جنوں کی پیدائش آگ سے ہے۔ اس لئے ان کے اندر غرور کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہوتا ہے۔ آگ کی فطرت میں ہی غرور موجود ہے اور وہ جلانا جانتی ہے اور اپنے آپ کو ہمیشہ بلند ہی تصوّر کرتی ہے اور ہمیشہ اُوپر ہی جانیکی کوشش میں لگی رہتی ہے کُلُّ شَیْءٍ یَرْجِعُ اِلٰی اَصْلِہٖ کے مصداق ابلیس اپنی کامیابی کے سبب دل ہی دل میں اپنے آپ کو بہت بڑا اور دوسروں کو اُس کے مقابل میں کچھ بھی نہیں خیال کرتے ہوئے غرور کرنے لگا اس کے دل میں (نعوذ باللہ) یہ بات پیدا ہونے لگی کہ ربّ العٰلمین کے بعد "میں ہی ہوں جو ذمہ داری کے اہل ہوں"۔ اگر ربّ العٰلمین ذمہ داری کسی اور کے سپرد کرے گا تو میں مزاحمت کرونگا۔ اور اپنے آپ میں یہ بھی سمجھنے لگا کہ تمام علمی اور عملی کاموں میں میرا کوئی ثانی نہیں ہے (یہی غرور اس کے لعنتی بننے کا سبب بنا) ایک مرتبہ ابلیس سیر کرتا ہوا ایک جگہ پر پہنچا اور اس نے دیکھا کہ کارکن قضاء و قدر نے وہاں یہ لکھا ہے کہ عنقریب اللہ ربّ العٰلمین اپنے ایک ایسے بندے کو جس پر اُس نے انعام و اکرام فرمایا ہے اور اس پر رحم کر کے زمین سے آسمان پر بلائے گا اور جنت کی نعمت سے بھی سرفراز فرمائے گا لیکن وہ احکامِ الٰہی کو نہ مانے گا اور ان پر عمل نہ کریگا اور غرور میں ڈوبا رہے گا۔ اس لئے وہ لعنتی ہو ویگا۔ یہ تحریر دیکھ کر پہلے تو ابلیس چونکا، بعد میں پھر وہ غفلت میں آگیا اور خیال کرنے لگا کہ ایسا کوئی اور بندہ ہوگا کیونکہ ابلیس کو اپنی عبادت پر بڑا غرور تھا اور وہ ہمیشہ یہی خیال کرتا تھا کہ وہ ربّ العٰلمین کے چاہنے والوں میں سے ہے۔ ابلیس کی عبادت کے سلسلے میں ایک روایت یہ بھی منقول ہے کہ اس نے ہر جگہ سجدے کئے ہیں اور کوئی ایسی جگہ نہیں چھوڑی جہاں پر سجدہ نہ کیا ہو۔ اس سبب سے بھی وہ

غفلت میں رہا اور اور بلندیوں پر پہنچنے کی سوچ رہا تھا۔ اور ادھر اللہ رب العلمین آدمؑ کو وجود میں لانے کا کام شروع کر چکا تھا۔

حضرت عزرائیلؑ نے اللہ تعالےٰ کے حکم سے ہر کائنات دہر جگہ سے دُنیا میں چالیس جگہ ہاتھ بھر گڑھے کر کے اطراف واکناف سے مٹی حاصل کی اور اس کو مکہ معظمہ کے ایک مقدس مقام پر جمع کرنا شروع کیا جہاں آج کعبہ شریف واقع ہے۔ زمین کے جو کئی مقام سے مٹی لی گئی اس میں خطہ مکہ معظمہ اور طائف کو خصوصیت بہت زیادہ حاصل ہے۔ حضرت عزرائیلؑ زمین سے جب بھی مٹی لیتے زمین بہت شور مچایا کرتی اور آہ و زاری کرتی۔ اس وقت خطاب الٰہی ہوا کہ اے زمین غم مت کر جو کچھ ہم تجھ سے لیں گے تو اُسکے بدلے اور بہتر تجھے واپس کر دیں گے۔ مٹی لیں گے تو اس کے بدلے بہت ہی حسین و جمیل چمکتے دمکتے چہرے تیرے پاس واپس کریں گے۔ اگر مشت خاک لیں گے تو پاک بندے عطا کریں گے۔ اس فرمان کے بعد زمین نے خوشی محسوس کی جس جگہ سے جتنی بھی مٹی اٹھائی گئی تھی اس جگہ اُس کا نعم البدل فراہم کیا گیا۔ وہ بھی غسل دیکر خوشبو سے معطر کر کے واپس زمین کی گود میں دے دیتے ہیں۔

القصہ مٹی کے خمیر میں اور بھی عناصر شامل کئے گئے اور بقیہ تین آیت والے فرشتوں کی مدد لی گئی۔ حکم الٰہی سے حضرت اسرافیلؑ نے ہوا کو ملایا تو حضرت جبرئیلؑ نے پانی اور حضرت میکائیلؑ نے آگ۔ ان مراحل کے بعد خلاقِ عالم کا کرم خمیر آدمؑ کی طرف ہوا اور چالیس دن (یعنی وہاں کا ایک دن یہاں کے دس سال کے برابر ہے) اس خمیر میں دستِ قدرت سے خود رب العلمین نے کاریگری فرمائی اور اس طرح آدمؑ کا خمیر مکمل ہوا۔ اور اس خمیر سے ایک پتلا تیار ہونے لگا اور اللہ رب العلمین کو اس کی تیاری میں اور خاصکر اس کو شکل دینے میں بہت ہی محنت کرنی پڑی۔ اور پتلے میں کیا کیا بھیدوں کو پوشیدہ کیا جائے اور وہ کیسے اور کہاں قائم رکھا جائے یہ سب چیزیں آدمؑ کی تیاری باری تعالیٰ کے لئے بڑی ہی محنت کا کام تھا۔ فرمایا اللہ تعالےٰ نے "لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ"۔

تحقیق ہم نے انسان کو بڑی محنت و مشقت میں پیدا کیا۔" اور جب شکل دینے کی بات آئی تو کسی بھی صورت سے تسکین نہیں ہو رہی تھی۔ آخر کار آدمؑ کو خود اپنی ہی شکل پر پیدا کر کے اس کی عظمت اور بڑھا دی۔ آدمؑ کے حق میں یہ ایک بہت بڑا راز تھا جو اس میں چھپایا گیا۔ اور آدمؑ کی شکل کو ہر شکل سے بھی اعلیٰ کیا۔ "اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ"۔ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا آدمؑ کو اپنی صورت پر"

قرآنِ پاک میں تخلیقِ آدمؑ کے متعلق مختلف مواقع پر بیان کیا گیا ہے۔ کہیں فرمایا ہے کہ خَلَقَکُمْ مِنْ تُرَابٍ"۔ اور پیدا کیا میں نے مٹی سے"۔ اور کہیں ارشاد فرمایا باری تعالےٰ نے "من طین لازب"۔ اور بہت ہی پاک مٹی سے" تو اور کہیں "خوشبودار مٹی سے" اور کہا ہے۔ "من حماء مسنون"۔ کہا ہے اور کہیں پر "من صلصالٍ کالفخار"۔ کہیں اُچھلنے والے پانی سے"۔ تو کہیں کڑکڑاتی مٹی سے۔ اور بھی کہا ہے۔ یعنی ہر مقام پر مختلف طریقوں سے کام لیا گیا ہے۔

اللہ پاک آدمؑ کا خمیر اپنے دست قدرت سے تیار فرما رہا ہے اور ستر ہزار فرشتوں کو یہ حکم ہے کہ وہ برابر اس خمیر پر رحیق و سلسبیل کے پانی کو اس مٹی پر ڈالا کریں ایک اور روایت کے تحت حضرت آدمؑ کے سر کو خاکِ مکہ معظمہ سے اور گردن کو بیت المقدس کی مٹی سے اور سینہ کو عدن کی خاک سے اور پیٹ اور پیٹھ کے بنانے میں ہندوستان کی مٹی لگائی گئی ہے اور باقی کے اعضاء کو دُنیا کے ہر مقام سے لی ہوئی مٹی کے ساتھ ساتھ کُل عالموں سے بھی کئی چیزیں لیکر بنایا ہے۔ اور اس کے خمیر میں آبِ زم زم۔ آبِ کوثر آبِ حیات اور آبِ رحمت کو بھی استعمال کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کا سر مبارک بنا کر اس میں ہزارہا عجیب و غریب رازوں کو پوشیدہ کیا۔ اور بھید اور عقل کا مقام اسی میں چھپا رکھا۔ نورِ علیٰ نور کا مقام عرش و کرسی، لوح و قلم، ساتوں آسمانوں کا محل، مکان و لامکان۔ اور منازل کی منزلِ مقصود، منازل کو طے کرنا، جدوجہد کرنا اور رازوں کو پانے کی منزل بھی

اِسی سر کو بنایا۔ اِسی میں جبین (پیشانی) کو سمین کو شکل دی اور یہیں علمُ بالقلم کے ساتھ اِسی جبین کے مقام پر لوحِ محفوظ کو قائم کیا۔ محراب جبین کے بعد رخساروں کو دوسری محرابیں بنا کر اس میں نور کی دو قندیلیں روشنی کیلئے لٹکائی گئیں۔ یہی آنکھیں ہیں اور اسمیں اپنا خاص نورِ مبارک کو داخل فرما کر اسکو پُر نور بنایا اور اس میں دین و دُنیا کے بہت ہی پُراسرار چیزیں پوشیدہ فرمایا۔ عشق و محبت، خیر و شر، التجاء، وانکساری، جلالی و جمالی رحم و قہر، عطاء و سزا اور بہت رازوں کے راز انہیں قندیلوں میں چھپا رکھا۔ تقدیر و تدبیر، حکم و احکام اِسی منزل پر رکھی گئی تو دید و دیدار کا بھید بھی اِسی مقام میں رکھا۔ اس سر مبارک کے منازل اور خزانوں کو بیان کرنے میں قلم عاجز ہے۔ ہم ہر معرفت کی معرفت اسی مقام میں باری تعالےٰ نے محفوظ کر دیا۔

آدمؑ کے سر کو معرفت کا خزانہ بنایا اور اس کے ہر حصّے کو تصوّف کی ایک کتاب عرش اور فوق العرش کی منزل کو بھی یہیں پر رکھا "ونفخت من روح" کے حکم کے ساتھ روح سب سے پہلے آدمؑ کے سر ہی کے راستے اندر داخل ہوتی ہے یہ ایک بہت گہرا بھید ہے اور یہیں سے روح کی سیر شروع ہوتی ہے۔ روح کے داخل ہوتے ہی دماغ کے شریاں حرکت میں آتی ہیں اور روحِ انسانی کے اثر سے آگاہ ہونے کے بعد وہ اپنا سفر کرتے کرتے آنکھوں تک آتی ہے تو اُسکی تجلی سے شمع نورانی کی وجہ آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ پہلے سیدھی آنکھ کھلتی ہے ہے تو اسکے فوراً ہی بعد بائیں آنکھ بھی کھلتی ہے۔ آدمؑ کی پہلی نظر جب اُٹھی اور وہ اوپر کیطرف دیکھی تو لوحِ محفوظ "عرشوں کے اوپر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" لکھا ہوا پائی اور اِسی کا وِرد سب سے پہلے کیا، دوسری نظر جب دوسرے مقام پر پڑی تو وہاں پر "رَحِمَتْ الْمُذْنِبِیْنَ وَرَبِّ غَفُوْر لکھا ہوا پائی اور اس کو پڑھا۔

آدمؑ کی پہلی نظر نے یہ دیکھا کہ "اللّٰہ کے ساتھ محمدؐ" کا نام لکھا ہوا تھا۔ اسی طرح روحِ انسانی سیر کرتی رہی اور منازل کو طے کرتے ہوئے قلب میں پہنچی۔ اور یہاں پر بڑے ہی عجیب و غریب مناظر اور جلوے دیکھے اور حیرت میں پڑی رہی۔

رُوح پورے جسم میں سیر کر کے واپس ہو جایا کرتی تھی، اور کبھی آنکھ کی راہ، تو کبھی کان کی راہ سے باہر آجایا کرتی تھی۔ فرمانِ خداوندی ہوا کہ اے رُوح اس جسم میں جسکو میں نے اپنے دستِ قدرت سے بنایا ہے داخل ہو جا اور قیام کر، "اُدْخُلِیْ فِیْ هٰذَا الْجَسَدِ الَّذِیْ خَلَقْتُهٗ"۔ اس مرتبہ روح جسم میں داخل ہوئی اور سیر کرتے ہوئے ناک کے مقام پر آئی تو ناک کے نتھنوں کا راستہ کھل گیا۔ اور پہلی مرتبہ چھینک آئی اسی چھینک کے سبب رُوح قیام کی اور آدمؑ نے شکرِ الٰہی اور خالقِ کائنات کی حمد و ثناء بیان کرتے ہوئے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" کہا۔ اب روح اپنے مقام پر قائم ہو چکی تھی۔ آدمؑ کی پہلی نظر "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" پڑھا ہے تو زبان سے پہلا کلمہ اَلحمد لِلّٰهِ ربّ العٰلمین نکلا ہے۔

آدمؑ کو باری تعالیٰ نے کل اسماء کی تعلیم دی اور کل علم سکھایا اور آدمؑ میں بہت ہی حیرت انگیز قدرتیں پوشیدہ رکھیں، عَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ حضرت آدمؑ سے خطابِ الٰہی ہوا۔ اے آدم ہم نے تم کو اپنے دستِ قدرت سے پیدا کیا اور اپنی رُوح خاص تم میں پھونکی اور تم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالٰی آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ اور علم اسماءِ کل تم کو تعلیم فرمائی اور تمہیں اپنے ہاتھوں سے بنانے کے ساتھ ساتھ چالیس ہزار سال اپنی نگاہِ خاص (دید میں) میں رکھا۔ "خَمَّرْتُ طِیْنَةَ آدَمَ بِیَدِیْ اَرْبَعِیْنَ صَبَاحًا"۔ یعنی میں نے آدم کی طینت کو اپنے ہاتھوں سے بنایا اور چالیس ہزار سال اپنی نگاہ میں رکھا۔ اب تم میرے خلیفہ اور نائب ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو ملائکوں کو اور تمام کو حکم کیا۔ "اُسْجُدُوْا لِآدَمَ" "آدمؑ کو سجدہ کرو" حکم پر حکم ہوتے رہے۔

"فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ"۔ میں نے اپنی روح اسمیں پھونکی، پس وہ اس کے لئے سجدہ کرنے والے ہیں۔ "وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ" اور جس وقت حکم دیا ہم نے فرشتوں کو کہ گر جاؤ روبرو سجدے میں آدم کے، سو سبھوں نے سجدے میں گر پڑے سوائے ابلیس کے۔

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ اِلَّآ اِبْلِيْسَ" ملائکہ اور سبھوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے آدمؑ کو سجدہ کرنے کے متعلق باری تعالےٰ کئی مقامات پر کئی انداز سے احکام جاری کئے ہیں جنکو سر تسلیم ادا کئے گئے ہیں۔ سب سے پہلے سجدہ میں حضرت جبرئیلؑ نے سر نیاز زمین پر رکھا۔ ان کے بعد حضرت میکائیلؑ۔ بعد حضرت اسرافیلؑ اور بعد حضرت عزرائیلؑ نے سجدہ کیا۔ ان مقرب فرشتوں کے بعد کل ملائکہ اور فرشتے اور تمام کے تمام بھی سجدہ ادا کئے

جلوہ دکھایا صورتِ آدم میں آن کر
پایا سر نیاز ملائک جھکا ہوا

اللہ ربِ کریم کے حکم کے تحت جب ملائکہ نے آدمؑ کو سجدہ کیا تو سجدے میں ہی رہے سر نہیں اُٹھا۔ ایک روایت کے مطابق پانچ سو سال سجدے میں رہے اس کے بعد جب سجدے سے سر اٹھائے تو دیکھا کہ ابلیسؑ کھڑا ہوا ہے اور صرف آدم کو دیکھ رہا ہے اور اس کی فرشتوں والی صورت بھی تبدیل ہو چکی ہے اور وہ اپنی پرانی ہیئت (جنون کی شکل) پر ہو گئی ہے اور جب فرشتوں نے ابلیسؑ کی شکل دیکھی تو خوف طاری ہو گیا۔ بارگاہِ الٰہی میں شکر گذاری کے طور پر فوراً ایک اور سجدہ ادا کیا۔ اور اس دن سے دو سجدے مقرر ہوئے۔ جو ہر رکعت میں اسی واقعہ کی یادگار ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ابلیسؑ سے دریافت کیا کہ اے لعین تو نے میرے خلیفہ کو سجدہ کرنے سے انکار کیوں کیا؟ ابلیسؑ نے جواب میں کہا۔ "اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ" "میں آدم سے بہتر ہوں میری پیدائش آگ سے ہوئی ہے اور آدمؑ کو مٹی سے بنایا ہے"۔ آگ کا جوہر خاک کے جوہر سے اچھا ہے"۔ کہہ کر ابلیسؑ نے غرور کیا۔ (آگ کی خاصیت ہے کہ ہمیشہ اوپر ہی کی جانب اٹھتی ہے، لیکن اسکا زور کتنا بھی زیادہ کیوں نہ ہو آخر کار اسکا زور ٹھنڈا پڑ جاتا ہے اور وہ واپس خاک کی طرف ہی آتی ہے اور اسی میں مل جاتی ہے۔ یہ بات شاید ابلیس کے ذہن میں نہیں آئی) ابلیس کے اس جواب سے باری تعالےٰ اُسی کی بازنی اس کی غروری کو ظاہر فرمایا اور اس غروری کی سزا میں ابلیسؑ کے لباسِ کرامت اور پیشانی کا خلعت اس سے چھین لیا۔

"اور اَخْرِجْ مِنْهَا" کے تحت اس کو مقامِ قرب و جنّت سے نکال کر زمین پر ڈال دیا گیا۔ ابلیس پر کُل فرشتے اور ملائکہ لعنت بھیجنے لگے اور سب سے پہلے ابلیس پر لعنت و ملامت کرنے والوں میں حضرت جبرئیلؑ اور حضرت میکائیلؑ حضرت اسرافیلؑ اور حضرت عزرائیلؑ ہیں۔ ان کے بعد ساتوں آسمانوں سے لیکر آسمانِ دُنیا تک کے کُل فرشتوں نے لعنت کیا۔ ابلیس جب آسمان سے زمین پر گرا کیا تو وہ سب سے پہلے گہرے ظلمات کے غار میں گرا جہاں گہرا اندھیرا تھا اور گرم پانی تھا اور وہ ایک ایسا غار تھا جہاں سے گندے خون کے دریا نکلتے تھے۔ اور ان خون کے دریا میں کئی رنگ شامل تھے۔

ابلیس ندامت سے برسوں زمین پر پڑا رہا۔ کیونکہ اس سے اب فرشتوں والی شکل چھین لی گئی تھی۔ اب وہ جنّات کی شکل میں تھا۔ اس لئے کسی کو شکل بتانے کے قابل نہ رہا۔ جب کبھی کسی کے روبرو جاتا تو دیکھنے والے اللہ کی پناہ مانگا کیا کرتے۔ آخر کار اس کے دل میں بدلے کی آگ اور غصہ جوش مارنے لگا۔ اور وہ یہی سوچتا رہا کہ کس طرح پھر سے جنّت میں داخل ہو جائیں اور آدمؑ سے خطا کرائیں۔

اِدھر آدمؑ جنّت میں بڑے اطمینان سے اللہ ربّ العزّت کی عبادت میں لگے رہے اور جنّت میں بڑے اطمینان و سکون کے ساتھ گھما کرتے۔ فرشتے اور اور ملائکہ آپ کی بڑی عزّت کیا کرتے اور ہر آرام کا خاص خیال رکھتے رہے۔ ایک مدّت اسی طرح گذرنے کے بعد سب کچھ آرام و آرائش رہنے کے باوجود آدمؑ میں ایک طرح کی بیچینی اور بیقراری پیدا ہونے لگی۔ اکثر بیزار بیزار رہتے۔ آدمؑ نے جنّت میں سب سے پہلے جو غذا تناول فرمائی ہے۔ اُس میں انگور۔ خرما (لذیز کھجور) اور انجیر تھے۔ آپ اکثر انہیں چیزوں سے سیر شکم ہوا کرتے تھے۔ ان چیزوں کے استعمال کے بعد جیسے جیسے یہ غذا آدمؑ کے جسم کے اندر داخل ہوتی رہی آدمؑ کی بیچینی اور زیادہ ہونے لگی اور غذا بھی اپنا اثر دیکھلانے لگی۔

اِسی وجہ آدمؑ کو ایک مُونس و غمخوار کی ضرورت محسوس ہونے لگی تاکہ اسکی رفاقت میں وقت گذاریں (یہی وہ منزل ہے جہاں سے حوّاؑ کا وجود، وجود میں آنے لگا۔)

آدمؑ اسی فکر میں دن گذارتے رہے، قدرت کو سب باتوں کا علم تو تھا ہی۔ اور اللہ تعالےٰ نے بھی ایک نقشہ بنا رکھا تھا اور وہ بھی اس چیز کو ظاہر کرنا چاہتے تھے۔ ایک دفعہ آدمؑ جنّت میں سیر کرتے کرتے ایک خوبصورت درخت کے نیچے آکر بیٹھے اور جنّت کی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں اور ہوائیں خوشبو سے معطر تھیں۔ آپ کا دل پُرسکون تھا۔ آپ کی روح میں تازگی آگئی تھی۔ آپ کا جسم پُرنور بن گیا۔ آپ اپنے اندر ایک غیر معمولی خوشی محسوس کر رہے تھے۔ آپ کو اس پُرفضا ماحول میں ہلکی ہلکی سی نیند کا غلبہ ہوا۔ آپ لیٹ گئے اور آرام فرمایا۔ آپ نہ سوئے تھے اور نہ ہی جاگے تھے آپ کی آنکھوں میں ایک خمار تھا جو کبھی کھلی تھیں کبھی بند ہوتی تھیں ایسی ہی کیفیت میں اللہ ربّ العٰلمین نے آدمؑ کی بائیں پسلی کی پہلی ہڈی سے حوّاؑ کی پیدائش فرمائی۔ حوّاؑ کی پیدائش کا آدمؑ کو احساس تک نہ ہوا اور نہ ہی آپ کو کسی قسم کا درد ہوا۔ آپ کی آنکھیں کھُلی کھُلی ہی تھیں آپ نے غور کیا اور دیکھا کہ آپ کے روبرو کوئی کھڑا ہے۔ آپ جب پوری توجہ کیساتھ غور سے آنکھیں مل کر جب دیکھا کہ آپ کے روبرو آپ ہی کی شکل کی ایک نازک بدن حُسن و جمال، بے انتہا خوبصورت لطف و کمال میں اپنی مثال آپ۔ بہت ہی دلکش ایک حور کھڑی ہوئیں ہیں۔ آدمؑ کی پہلی نظر حوّاؑ کے جمال پر پڑی وہ محبت و شفقت سے بھرپور تھی اور حوّاؑ کو دیکھنے سے آدمؑ کی طبیعت میں خوشی و راحت کی لہریں دوڑ گئیں اور آپ بہت خوش تھے۔ اِدھر حوّاؑ بھی آدمؑ کو دیکھ رہی تھیں، اور آپ ہی کے وجود کو غور سے دیکھ رہی تھیں۔ ایک دوسرے کی نظر نظر میں جمی ہوتی تھیں۔ اور نظریں ملتی رہیں گویا دید کا عام تھا۔

جناب حوّاؑ آدمؑ سے بھی زیادہ خوبصورت تھیں۔ ان کی جلدِ بدن زیادہ نازک تھی۔ رنگ زیادہ صاف و شفاف تھا۔ آنکھیں سیاہ اور چمکدار تھیں،

بال بہت ہی خوبصورت لمبے و ملائم تھے، قد میں آدمؑ سے کچھ کم اور کمر بہت ہی پتلی اور گردن صراحی دار تھیں۔ ہاتھ کی ہتھیلیاں زیادہ ہی نرم و نازک تھیں اور چہرہ مسکراتا ہوا تھا۔ لب بالکل پتلے اور آواز زیادہ بہتر اور شیریں تھی۔

آدمؑ نے اللہ تعالےٰ سے معلوم کیا "یَا رَبِّ مَا هٰذَا الْحُسْنُ الْجَمِيْلُ الَّذِيْ قَدْ اَنَسْتَنِيْ بِقُرْبِهٖ" اے ربّ العٰلمین یہ حسین و جمیل کون ہے جو میرے قریب ہے اور جس کو تُو نے میرے لئے مانوس فرمایا ہے۔" اللہ تعالیٰ نے کہا یہ میری بندی ہے اور اسکی پیدائش تمہارے ہی بدن سے ہوئی ہے۔ تم بھی میرے بندے اور نائب بھی ہو، میں نے تمہارا اسم آدمؑ رکھا ہے کہ تمہاری خلقیت اِدیم (نیچے) زمین سے ہوتی ہے۔ آدمؑ نے باری تعالےٰ سے عرض کیا کہ تیری درگاہ میں اس کی (حوّاؑ) طلب کی درخواست کرتا ہوں۔ لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ"

آدمؑ نے ربِ کریم سے عرض کیا کہ حوّاؑ کے سلسلہ میں میرے اوپر کیا کیا فرائض و ذمہ داریاں عائد ہیں۔ ربّ تعالیٰ نے فرمایا "تقویٰ اور عملِ صالح کے علاوہ اس کو دینی امور کی تعلیم۔ آدمؑ نے اس بات پر عمل کا اظہار فرمایا۔ اس گفتگو کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حضرت آدم کیلئے جواہرات سے مرصع تخت بچھانے کا حکم دیا جس پر آدمؑ کو بٹھایا گیا تمام ملائکہ نے آپ کو گھیرے میں لے لیا اور ربِ باری نے اعلان فرمایا کہ آدمؑ کے عقد کی تیاریاں شروع کریں۔ آدمؑ کی شادی کی بات چودہ طبق میں پھیل گئی اور سب کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آدمؑ کا نکاح حوّاؑ سے ہو رہا ہے اور سب کو اس شادی میں جمع ہونے کی دعوت دی گئی ہے۔ اِدھر یہ بات ابلیسؑ کو بھی معلوم ہوئی۔ وہ تڑپنے لگا کہ کسی طرح بھی ہو آسمانوں پر جانا ہے اور پھر وہاں سے کسی طرح جنّت میں داخل ہونا چاہئے

حضرت آدمؑ کا نکاح حضرت حوّاؑ سے ہونا مقرّر ہو چکا ہے اور فرشتے و ملائکہ کے ساتھ ساتھ چودہ طبق سے خاص خلقت جمع ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ ہر طرف دھوم مچی ہے۔ لوریاں گائے جا رہی ہیں۔ حوریں حوّا کے اطراف گھیرے ہوئے ہیں اور حضرت حوّا کو دولہن بنا رہی ہیں۔ حضرت آدمؑ جواہرات سے سجے تخت پر آ کر بیٹھے ہیں۔

اور حق تعالیٰ کا فرمان ہوتا ہے کہ اب رسمی طور پر حوّاؑ کو بھی لاؤ، رسمی طور پر حضرت آدمؑ نے اللہ تعالیٰ سے حوّاؑ کو اپنے نکاح میں دینے کی طلب کی۔ اور حق تعالیٰ نے اس درخواست کو قبول فرمایا۔ مقرب فرشتوں کو گواہ و وکیل مقرر کیا گیا۔ اس عقد کو اپنی حمد و ثناء سے مزین فرمایا۔ اور نبیؐ آخر الزماں حضور پُر نورؐ کے نام نامی کا ذکر اس عقد کا مہر قرار دیا گیا۔ اور فرمانِ خداوندی ہوا کہ اے آدمؑ میرے پیارے حبیب نبی رسول جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی وہ ہے کہ آپؐ ہی کے نورِ مبارک سے تخلیق کی ابتداء کی ہے! اور اختتام بھی آپؐ ہی کی ذاتِ گرامی پر ہوگا اور یہ نور جو تمہاری دونوں ابروؤں کے درمیان چمک رہا ہے وہ اُسی ذاتِ اقدس کا نور ہے اور آپؐ کا نام نامی کل شئے کے وجود میں آنے سے پہلے ہی ذکر کر دیا گیا تھا، اور آپؐ ابتدا ہی سے نبوّت اور رسالت پر فائز ہیں۔ آقا دو عالم حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکرِ مبارک کے بعد خود اللہ رب العلمین نے حضرت آدمؑ اور حضرت حوّاؑ کا نکاح حاضرینِ جماعت کے روبرو پڑھا۔ ذمہ دار روایتوں کے مطابق خطبۂ نکاح کے ابتدائی چند کلمات یہ ہیں۔

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ اَلْحَمْدُ ثَنَائِيْ وَالْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ وَالْعَظَمَةُ اِزَرِيْ وَالْخَلْقُ كُلُّهُمْ عَبِيْدِيْ وَاِمَائِيْ وَمُحَمَّدٌ حَبِيْبِيْ وَرَسُوْلِيْ قَدْ زَوَّجْتُ الْاَشْيَاءَ . . . . . .

. . . . . .

حضرت آدمؑ و حوّاؑ کے نکاحِ مبارک کے بعد ملائکہ نے سلام پڑھے اور مقرب فرشتے اور کُل ملائکہ نے تحفے و ہدیئے دیئے مقربینِ بارگاہِ الٰہی کے تحیات پیش و نچھاور کئے۔ سبھوں نے خوشیاں منائیں۔ اس کے بعد حق تعالیٰ سے فرمان ہوا کہ اے آدمؑ۔ حوّاؑ کو آپ کی زوجیت میں دے دیا گیا ہے اور اب تم جنّت میں سکونت اختیار کرو"۔

"يَا آدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ" اے آدم آپ اپنی بیوی کے ساتھ جنّت میں خوب گھومو پھرو اور جنّتی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہو۔ ہاں اس

درخت کے قریب مت جانا۔ "وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ"

حضرت آدمؑ کو جس درخت کے قریب نہ جانے اور اُس سے کچھ نہ کھانے کی تاکید کی گئی تھی وہ درخت گندم کا تھا اور بعض مورخین نے کہا ہے کہ وہ "شجرِ فواد" تھا۔ فواد اور گندم تصوف کی نظر میں وہی معنیٰ رکھتے ہیں جو اہلِ تصوف بخوبی جانتے ہیں۔ بہرحال دونوں کی خاصیت ایک جیسی ہی ہے۔ آدمؑ حوّاؑ کے ساتھ جنت میں جہاں کہیں بھی جاتے وہ درخت خود بہ خود آپ حضرات کے روبرو پھیل جاتا۔ لیکن جب بھی حضرت آدمؑ کی نظر اس درخت پر پڑتی تھی جس سے منع کیا گیا تھا آپ کے دل میں ایک خواہش پیدا ہوتی کہ اس درخت سے کچھ لیکر کھائیں، لیکن فوراً ذاتِ باری تعالیٰ کی تاکید اور ہدایت یاد آجاتی اور نظریں پھیر لیتے تھے۔

دوسری طرف ابلیس کو معلوم ہو چکا تھا کہ حضرت آدمؑ و حوّاؑ کا نکاح خود حق تعالیٰ نے ادا کیا ہے۔ اور اب وہ آپس میں شوہر اور بیوی کے رشتے میں بندھ گئے ہیں۔ ابلیس سوچتا رہا کہ کسی طرح اب ان دونوں کے قریب پہنچا ہے۔ اور بدلہ لینا ہے حضرت آدمؑ و حوّاؑ بہشت میں آزادی کے ساتھ آرام و آسائش کے ساتھ جہاں چاہتے وہاں جایا آیا کرتے تھے۔ اور اسی طرح خوشی خوشی دن گذرتے رہے۔

ابلیس کے دل میں آدمؑ سے دشمنی تھی اور وہ انتقام لینا چاہتا تھا۔ اس کے دل میں بات آئی کہ کسی طرح آدمؑ اور حوّاؑ سے خطا سرزد کروا کر آپس میں تفرقہ ڈال دینا چاہیئے۔ ابلیس نے کئی مخلوق سے دوستی قائم کی اور یہ راز بھی معلوم کر لیا کہ آدمؑ اور حوّاؑ کو جنت کے تمام نعمتوں کو کھانے کی اجازت مل گئی ہے۔ مگر شجر ممنوعہ درخت گندم کو کھانے کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ یہ بات معلوم کر کے اسکی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اور فرشِ زمین سے عالمِ بالا کی طرف روانہ ہونے کا کوئی نہ کوئی راستہ تلاش کرنے میں لگا رہا۔ اس کام کیلئے وہ مور اور سانپ سے دوستی کر کے ان کا تعاون حاصل کر لیا۔ اور شیطان سے مطلب کی بات کہہ کر اسکا ساتھ بھی حاصل کر لیا۔

شیطان نے سانپ سے کہا کہ وہ اپنے منہ میں ابلیس کو چھپا کر جنت میں لیجائے گا ہوا بھی ایسا ہی سانپ اپنا منہ کھول دیا اور ابلیس اس میں جا بیٹھا کیونکہ ابلیس کو معلوم تھا کہ جنت کا رضوان اور فرشتوں کی موجودگی میں وہ کبھی بھی جنت میں داخل نہیں ہو سکتا اسی لئے اس نے یہ طریقہ اپنایا۔ اس طریقہ کو اپناتے ہوئے سانپ کسی طرح جنت میں داخل ہو گیا اور سانپ کے ساتھ ساتھ ابلیس بھی جنت میں داخل ہو گیا۔ سانپ نے ابلیس کو گندم کے درخت کے پاس اُگل دیا۔ ابلیس سانپ کی دُم کی طرف سے باہر آیا۔ اور فوراً درخت کے قریب جا کر چھپ گیا۔ ابلیس کے جنت میں دوبارہ داخل ہونے کی خبر کسی طرح فرشتوں کو معلوم ہو گئی۔ لہٰذا انہوں نے اس کو باہر نکالنے کی تدابیر سوچتے رہے۔ لیکن حکم ربِ باری ہوا کہ فی الحال اس کام میں عجلت نہ کی جائے۔ کیونکہ اس ضمن میں بہت سے راز اور مصلحتیں اور اسرار پوشیدہ ہیں۔

الغرض ابلیس اپنے قیام جنت پر بڑا خوش تھا۔ اور موقع دیکھ کر حضرت آدمؑ اور حوّاؑ کے قریب بھی آتا اور محبت و عقیدت کے اظہار میں رونے لگتا۔ اسی طرح وہ باتوں کو بنا بنا کر ان دونوں کے روبرو پیش کرتا۔ حضرت آدمؑ اور حوّاؑ اس کی طرف کچھ مائل ہونے لگے اور ابلیس نے بتلایا کہ میں جنت میں ایک ایسے درخت کو جانتا ہوں کہ جس کے دانے کھانے سے ہر کوئی ہمیشہ جنت میں رہے گا۔ اور اس کو کبھی موت بھی نہیں آئے گی۔ آیت کریمہ میں اس طرح بیان ہے کہ "هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى"۔ کیا میں تم کو ابدیت عطا کرنے والے درخت اور نہ فنا ہونے والی ملک کی رہنمائی کروں"۔ یہ بات سن کر حضرت آدمؑ کے قلب میں رجحان پیدا ہوا۔ ابلیس مور کی رہنمائی میں درخت گندم کے پاس پہنچا اور یہیں اس درخت کے جڑ کے پاس بیٹھ گیا۔

آدمؑ اور حوّاؑ جب بھی اس درخت کے قریب رہتے اور ان کی نظر جب بھی اس درخت گندم پر جاتی وہاں سے ایک سُریلی نغموں کی آواز آتی اور یہ آواز اور نغمے اتنے سریلے ہوتے کہ بڑھتے قدم بھی روک جاتے تھے اور ابلیس گندم کی خوبیاں بیان کر کے

آدمؑ و حواؑ کو اس درخت سے گندم لیکر کھانے کیلئے ورغلاتا رہا اور بار بار قسمیں کھاتا رہا کہ اس کی خوبیاں فلاں اور فلاں ہیں۔ الغرض سب سے پہلے ابلیس کے ورغلے اور فریب میں حضرت حواؑ آئیں اور سوچنے لگیں کہ کیوں نہ ہم اس لذیز چیز کو استعمال کریں اور اس کی لذت سے آشنا ہو دیں۔ (یہی وہ مقام ہے جہاں سے لغزش شروع ہوئی)۔

ابلیس نے کہا جو کوئی اس درخت کے پھل زیادہ کھائے گا اس کو زیادہ فائدہ ہوگا۔ اور دوسرے پر غالب ہوگا۔ حضرت حواؑ اس کی باتوں میں آگئیں اور درخت سے سات خوشے توڑے۔ ہر خوشہ توڑتے وقت ایک قسم کی لذت محسوس کیا کرتی تھیں اور ہر دوسرے خوشے توڑتے وقت پہلے سے زیادہ لذت پائیں۔ پہلے آپ خود ہی ایک خوشہ کھایا اور اس کا بھرپور لطف حاصل کیا۔ اور اس کے بعد حضرت آدمؑ کو بھی کھانے کے لئے کہا۔ حضرت آدمؑ نے ان کو کھانے سے انکار کیا۔ حضرت حواؑ نے انہیں کہا کہ میں اس میں سے کھا چکی ہوں۔ یہ نہایت ذائقہ دار ہیں۔ کہا گیا ہے کہ اس دن گندم کی حیثیت بدلی ہوئی تھی۔ شہد سے زیادہ شیریں، دودھ سے زیادہ سفید اور مکھن سے زیادہ نرم اور بہت ہی رس دار ہو گئے تھے۔ حضرت آدمؑ کھانے سے برابر ٹالتے رہے۔ انہیں رب العلمین کی ہدایت بار بار یاد آتی رہی اور خود کو بہت روکتے رہے۔ لیکن حضرت حواؑ کھانے پر زور دیتی رہیں۔ آخر کار حضرت آدمؑ حضرت حواؑ کی باتوں میں آنے لگے اور حضرت حواؑ نے گندم کو آپ کے منہ میں رکھ دیا۔ گندم کا ذائقہ حضرت آدمؑ کو بہت اچھا لگا اور اس کی لذت بھی بہت پسند آئی۔ ابھی یہ لقمہ پیٹ تک نہ پہنچا تھا کہ آپ پسینہ پسینہ ہو گئے اور جنتی لباس آپ دونوں حضرات کے جسم سے اتر گیا۔ آپ بہت شرمندہ ہو گئے۔

خطاب باری تعالیٰ ہوا، اے آدمؑ کیا میں نے تمہیں منع نہ کیا تھا۔ "اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَا اِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ" کیا میں نے تم کو شجر گندم سے منع نہیں کیا تھا، اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے"

جنتی لباس کا اترنا اور ستر عورت کا کھلنا۔ فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا"۔

پس ان دونوں کو ایک دوسرے کا ستر عورت ظاہر ہو گیا (یعنی تصوف کی نظر میں دونوں کے شرمگاہیں ظاہر ہو گئے۔ اس سے پہلے یہ عضو جسم کے اندر ہوا کرتے تھے۔ اس واقع کے بعد باہر آ گئے) حضرت آدمؑ و حواؑ کے سروں سے جنتی تاج پرندوں کی طرح اُڑ گئے اور حضرت جبرئیلؑ بھی ان کی خدمت گذاری سے ہٹ گئے۔ اور ان دونوں نے ایک دوسرے کو برہنہ دیکھا تو فرطِ ندامت سے بھاگنے لگے اور اپنی اپنی شرمگاہیں چھپانے کیلئے درختوں سے پتے مانگتے پھرتے تھے، لیکن کوئی درخت نے بھی اپنا پتہ دینے کی ہمت نہ کی آخر کار انجیر کے درخت نے اپنے پتے دے۔ انہیں پتوں کو لیکر دونوں نے اپنی اپنی شرمگاہوں پر پردہ کیا۔ حضرت آدمؑ اس حرکت سے بہت شرمندہ و رنجیدہ تھے اور اس کے لئے اللہ رب العزت سے معافی مانگا کرتے تھے۔

ایک روایت کے مطابق یہ ہے کہ دُنیا کے پانچ سو سال عالم آخرت کے نصف دن کے برابر ہوتے ہیں۔ ان دونوں ہستیوں نے جنت میں نصف دن قیام فرمایا۔ اس کے بعد دونوں دُنیا میں بھیج دئے گئے (تصوف کی نظر میں نصف دن گزارا، پوری رات جلوہ و دید میں گذری اور دن شروع ہوا تو دُنیا رویرو تھی) کیونکہ اس واقع کی پہل حضرت حواؑ سے ہوئی تھی اس لئے چند تکالیف حضرت حواؑ کے حق میں آئیں۔ نجاست کو شکم و شرمگاہ میں رکھ دی گئی۔ جو حیض و نفاس کے خون کی شکل میں ظاہر ہو گی....

● نو ماہ کا بوجھ باندھے رکھنا۔ ولادت کے ہر موقعہ پر موت کا مزہ چکھنا۔

● شوہر کے حکم کو ماننا۔ ● اور پیغمبری کے اعزاز سے محروم کر دیا گیا۔ لیکن ان سب چیزوں کے باوجود حضرت حواؑ نے اس میں لذت پائی اور اس کو سر تسلیم قبول فرمایا۔ کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ ان میں کیا راز پوشیدہ ہیں۔ اس لئے وہ ہر تکلیف کو بخوشی خوشی گوارا کیا

ربّ العلمین سے فرشتوں کو حکم ہوا "اذھبو بعیدی" میرے بندوں کو لیجاؤ اور دُنیا میں اُتار دو"۔ فرشتے حضرت آدمؑ کا بازو پکڑا تو آدمؑ نے ربّ العلمین سے فرمایا یا الٰہی کیا تو نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ تیری نسل کو بڑھاؤں گا اور ان میں رسول

اور انبیاء کو منتخب کرونگا"۔ ان سب کا واسطہ حضرت آدمؑ نے دیا لیکن فرشتوں کو پھر سے حکم ہوا "اذ ھبو بعیدی"۔ آدمؑ نے پھر سے حضرت ادریسؑ و حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرا کیا لیکن رب العلمین کا وہی حکم ہوتا رہا۔ حضرت آدمؑ نے کل پیغمبروں کا ذکر فرمایا، لیکن کچھ نہ ہوا۔ آخر میں حضرت آدمؑ نے حضرت آقائے نامدار محمد مصطفےٰ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی کا واسطہ دیا تو اللہ رب العزت نے فوراً فرشتوں کو حکم دیا کہ میرے خلیفہ اور نائب پر نرمی اور ادب کے ساتھ پیش آؤ۔ حضرت آدمؑ سے فرمایا اب تم دنیا میں جاؤ کیونکہ اس میں بہت سے راز پوشیدہ ہیں اور تم بھی بہت خوب ان سے واقف ہو۔ حضرت آدمؑ نے عرض کی یا رب العلمین میں تجھ سے جدا ہو کر کیسے رہوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تم سے جدا کہاں ہوں میں تو تمہارے ساتھ ساتھ ہوں تم جہاں بھی رہو گے میں تمہارے ساتھ ہی رہوں گا، یہاں تک کہ تمہارے نفسوں میں بھی"۔ اس گفتگو سے حضرت آدمؑ کو کافی تسلی ہوئی۔ پھر بھی جنت کے قیام اور اس کی جدائی سے دل بہت رنجیدہ تھا۔ حضرت آدمؑ کو جنت کے بہت سے نعمتیں آپ کے ساتھ دیکر دنیا میں بھیجا گیا۔

حضرت آدمؑ نے بہشت سے زمین کے طرف روانہ ہونے کا ارادہ کیا تو حضرت جبرئیلؑ امین نے بھی بحکم خداوندی آپ کی مشایعت کی تو حضرت آدم نے حضرت جبرئیلؑ سے دریافت فرمایا کہ اے جبرئیل مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔ حضرت جبرئیلؑ نے کہا اس جگہ جہاں پر آپ پیدا ہوئے تھے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ ہمیشہ کیلئے یا عارضی طور پر، لیکن حضرت جبرئیلؑ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموش رہے۔ اس کے بعد حضرت آدمؑ نے حضرت جبرئیل سے فرمایا کہ ذرا ٹھہرو میں اپنے پروردگار کے ملائکہ کو الوداع تو کہہ لوں، کیا معلوم کہ ان سے پھر ملاقات ہو یا نہ ہو۔ لہٰذا حضرت آدمؑ نے نگاہ پھیر کر بڑی دلدوز آواز میں ندا دی۔ علیکم السلام یا ملائکۃ اللہ استدء عکم وَ آقریٰ عَلیکُم السَّلام" مجھے اب یہاں سے لئے جایا رہا ہے اور نہ معلوم مجھ پر کیا گذرے گی۔ میری تم سے ایک درخواست ہے کہ تم مجھے عاصی عابد نہیں بلکہ عابد و پارسا نامی کی طرح یاد کرنا، کیونکہ میری لغزش

عملاً نہیں تھی اس میں کچھ راز پوشیدہ تھے اور قدرت نے مخلوق میں ہر ایک سے دریافت فرمایا تھا کہ میں ایک بار امانت دینا چاہتا ہوں کیا تم اس کو اٹھاؤ گے تو اس امانت کو اور ان رازوں کو کائناتوں میں کسی خلقت نے اٹھانے سے گھبرا گئے تھے اور لرزا کھا گئے تھے۔ میں نے ہی ان کو باری تعالیٰ کی امانت سمجھ کر اٹھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ان رازوں کو روشن بھی کر دیا تھا۔ اور ان رازوں میں ایک راز یہ بھی تھا کہ وہ مجھے خطاوار کہیں گا اور میں اسے غفور الرحیم کہوں گا۔ یہ راز ہے جو میرے اور اس کے درمیان ہے۔ یہ کہہ کر فرشتوں اور ملائکہ سے حضرت آدمؑ نے وداعی لی۔

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواؑ کو دنیا میں دو مختلف مقامات پر اتارا گیا۔ جدا ہو کر ملنے میں جو لذت ہوتی ہے اس کو رکھتے ہوئے آپ دونوں حضرات کے درمیان سو سال تک فرقت رکھی گئی۔ حضرت آدمؑ کے نام کے ساتھ عاصی کا لفظ بڑھ گیا تھا، لیکن اس لفظ میں عاجزی، ادب اور احترام کے خزانے پوشیدہ تھے "وَعَصٰٓی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی"۔ دنیا کو ایک طرف آدمؑ کی امتحان گاہ بنایا گیا تھا تو دوسری طرف آپ کی محبت و مروت میں اپنے خلیفہ و نائب کی آمد کیلئے اسکو پوری طرح سجایا بھی گیا تھا اور کل مخلوق کو یہ علم ہو گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ آنے والے ہیں۔ اور ہر مخلوق چرند، پرند و درند آپ کی آمد کے منتظر تھے اور خوشیاں منا رہے تھے۔ لیکن حضرت آدمؑ کو ہمیشہ ہی غم رہا کہ وہ باری تعالیٰ اور جنت سے دور ہو گئے ہیں

آسمانوں سے جب حضرت آدمؑ کو دنیا میں اتارا گیا تو ایسے پہاڑ پر اتارا گیا جو دنیائے آسمان سے سب سے زیادہ نزدیک تھا اور حضرت حواؑ کو بمقام جدہ اتارا گیا۔ حضرت آدمؑ اس پہاڑ پر جب اترے تو منہ رکھ کر بہت بہت روتے رہے آپ تقریباً ایک سو سال اس پہاڑ پر رہے۔ آپ ہمیشہ جدائی کے غم میں روتے رہے آپ اس قدر روئے کہ آپ کی آنکھوں سے نکلے ہوئے آنسوں سے اس پہاڑ پر چشمے جاری ہو گئے اور ندیاں بن کر بہنے لگے۔ اور یہ ندیاں بہت گہرے تھے۔

اتنے گہرے کان میں جہاز چل سکتے تھے حضرت آدمؑ کی آنکھوں سے نکلے ہوئے آنسوں کی ندیوں کا بعد میں آنے والی خلقت بڑا احترام کیا کرتی رہی اور ان کو قیامت تک بھی معتبرک سمجھتی رہیں گی۔ کیونکہ یہ آنسوں کی ندیاں اللہ ربّ العلمین کی یاد اور محبت و عشق میں پیدا ہوئی تھیں اور آدمؑ کے گناہوں کی توبہ کے سلسلے میں نکلے تھے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ بعد میں آئی ہوئی نسل ان ندیوں میں اپنے گناہوں کی معافی کیلئے غسل کیا کرتے اور غسل کرنے کے بعد اپنے آپ کو بے گناہ سمجھتے۔

الغرض دُنیا کی ہر مخلوق چرند پرند حضرت آدمؑ کی عیادت اور ہمدردی کے لئے آتے لیکن حضرت آدمؑ کے رونے میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔ کہا جاتا ہے کہ پرندے ان کی آنکھوں سے نکلے ہوئے آنسوں کے پانی کو پیتے اور آپس میں کہتے کہ اس سے بہتر اور میٹھا پانی ہم نے آج تک نہیں پیا ہے۔ آخر کار حق تعالےٰ حضرت آدمؑ پر رحم فرمایا اور ان کی توبہ قبول کیا، اور بشارت دی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رازدار ہیں۔ "آپ میرے بھید اور میں آپ کا بھیدی ہوں"۔ تب کہیں آدمؑ کو کچھ قرار آیا اور آپ زمین سے سر کو اُٹھایا، اور ربّ کریم کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد آپ اپنے چاروں طرف کا جائزہ لیا اور تھوڑا اِدھر اُدھر گھومنے لگے اور آپ نے دیکھا کہ باری تعالیٰ نے اس پہاڑ کو اور اس کی وادیوں کو جنّت کا نمونہ بنا رکھا ہے اور اس پہاڑ کی چوٹیوں کو پگلے ہوئے چاندی کی طرح برف سے خوبصورت سے خوبصورت بنا رکھا ہے۔ پہاڑ سے جب نیچے اُترنے لگے تو آپ نے دیکھا کہ پانی کا جابجا بہنا اور خوبصورت جھیلیں دل کو فرحت بخشنے لگی ہیں۔ خوبصورت پرندے اپنی سُریلی آواز میں گیت گا رہے ہیں۔ اونچے اونچے درخت اور ہریالی گویا آپ کی آمد کی منتظر ہیں۔ آپ نے اس سرزمین کو جنّت کے نمونے سے کچھ کم نہیں پایا۔ ان سب نظاروں کو دیکھ کر آپ کے غم میں کمی آئی اور آپ خوشی محسوس کرنے لگے۔

روایت میں موجود ہے کہ دنیائے آسمان کے بالکل قریب والے پہاڑ کے معنیٰ ہمالیہ کے بھی ہوتے ہیں۔ اور چند نے روایت کی ہے کہ حضرت آدمؑ کو سراندیپ کے

پہاڑیوں پر اُتارا اور آپ وہیں قیام فرمایا۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ کوہ ابو آدم جو آج کے سری لنکا میں موجود ہے وہاں پر اُتارا اور آپ وہاں پر قیام فرمایا تھا لیکن دنیائے آسمان کے بالکل قریب والے پہاڑ کی بات آتی ہے تو ہمالیہ کے پہاڑ ہی ہیں اور اسی پہاڑ کی چوٹیاں دُنیا میں سب سے اونچی ہیں اور دنیائے آسمان کے نزدیک ہیں۔ (وَاللّٰہُ عَالَمُ بِالْخَیْرِ)

حدیث شریف میں موجود ہے کہ جب حضرت آدمؑ دنیا میں تشریف لائے تو اُن کے جسم پر جنتی پتے لپٹے ہوئے تھے جو ان کی ستر پوشی کر رہے تھے اور دنیا کی ہوا کی وجہ سے وہ پتے خشک ہو گئے اور ملک ہند میں چاروں طرف پھیل گئے اور اُن خشک شدہ پتوں کے اثرات دُنیا کے درختوں اور پھلوں اور پھولوں میں اثر انداز ہوئے اور یہی اثر جڑی بوٹی وغیرہ میں بھی موجود ہیں اور ان کا اثر قیامت تک باقی رہے گا۔ اور انہیں کے اثر سے صندل کے درخت میں خوشبو موجود ہے اور مختلف قسم کی خوشبوئیں مثلاً مشک۔ عنبر، عود میں بھی موجود ہیں، کیونکہ ہرن کے اقسام میں ایک نے ان جنتی پتوں کو کھایا تھا اسی لئے ہرن کے نافہ سے خوشبودار مشک نکلتا ہے، اور عنبر ایک سمندری جانور سے نکلتا ہے۔ روایت میں ہے کہ پہلے یہ سمندری جانور زمین پر چرتا تھا۔ بعد میں حضرت جبرئیلؑ نے اس جانور کو سمندر میں ڈال دیا اور اُس کی نسل قیامت تک پانی میں رہے گی اور عنبر ڈالتی رہے گی۔

حضرت آدمؑ ایک مدت کچھ نہ کھایا اور پیا تھا اور ایک مدت سے برہنہ و بھوکے پیٹ گذاری تھی۔ آب و ہوا کی تبدیلی سے جسم متاثر ہونے لگا تھا۔ حضرت آدمؑ کی بھوک کی کیفیت جب باری تعالیٰ کو ہوئی تو حضرت آدمؑ کے لئے بہشتی جانوروں کے چار جوڑے روانہ کئے جن میں دو بکریاں۔ دو اونٹ۔ دو گائے اور دو عدد بھیڑیں تھیں۔ ان کی نسل کو بڑھا کر ان کو ذبح کر کے غذا کے طور پر استعمال کی اجازت دی گئی تھی۔ اور حضرت جبرئیلؑ حضرت آدمؑ کو زراعت کرنے کا طریقہ سکھایا اور بیج کے لئے گندم کے تین دانے کی ایک تھیلی حضرت آدمؑ کو دئے گئے اور ان میں سے ایک دانہ زمین جوت کر ڈالنے اور دو دانے اپنے پاس رکھنے کی ہدایت دی گئی۔ دُنیا میں سب سے پہلے جو زمین جوتی گئی اور جس میں سب سے پہلے بیج ڈالا گیا وہ ملک ہند

کی سرزمین تھی، حضرت آدمؑ نے گندم (گیہوں) کو دیکھکر بہت روئے اور انہیں اسی گندم کی شکل وصورت اور لذت کے سبب اور اسی کو اپنانے اور کھانے کھلانے کی وجہ ہی تو جنت میں عظیم واقعہ پیش آیا تھا۔ حضرت آدمؑ کو وہ سب کچھ یاد آیا اور ان گندم کے دانوں کو لیکر وہ اپنی ماضی کی یادوں میں ڈوب گئے۔ حضرت آدمؑ نے دو دانے اپنے پاس رکھ لئے۔ اور ایک ہی دانہ زمین میں بویا۔ گندم کی فصل بہت جلد جلد آجایا کرتی تھی اور اس کو بھون کر یا اس کی روٹی بنا کر کھایا کرتے تھے اکثر سوچتے رہتے اور اداس اداس رہا کرتے اسی گندم نے پھر سے آپ کو اپنی زوجہ محترمہ حضرت حواؑ کی یاد دلائی، اور آپ اکثر حضرت حواؑ کو یاد کیا کرتے تھے۔ سوچتے تھے کہ پتہ نہیں کہاں ہونگے اور کس حال میں ہونگے۔ کیونکہ حضرت حواؑ آپ ہی کے بدن سے پیدا ہوئیں تھیں اور آپ کی امانت تھیں۔ اور زوجہ بھی تھیں۔ آپ کی کشش کا ہونا اور یاد آنا فطری بات تھی۔ آپ کے ساتھ جنت میں گذارے ہوئے دن اور آپ کی کی باتیں یاد آیا کرتی، حضرت حواؑ سے پھر ملنے کی آرزو پیدا ہوئی کیونکہ وہ آپ ہی کے وجود سے وجود میں آئی تھیں۔ حضرت آدمؑ کی توبہ قبول ہو چکی تھی۔ اللہ رب کریم آپ کے رنج وغم کو ہلکا کیا تھا۔ پھر بھی حضرت آدمؑ ہمیشہ "اللہ" کی یاد میں دن گذارا کرتے تھے اور ہر عبادت و دعاؤں میں یہ ضرور کہتے کہ یا ربِ کریم بطفیل سید المرسلین محمد مصطفےٰؐ کے میری لغزش درگذر فرما کہا کرتے تھے۔ ایک وقت حضرت آدمؑ کی دعاؤں کے بعد خطابِ الٰہی ہوا۔ "اے آدمؑ تم نے محمد مصطفےٰؐ کے وسیلہ سے دعا کرتے ہو تم انؐ کو کہاں سے جانا اور کہاں سے پہچانا۔ حضرت آدمؑ نے کہا "اے باری تعالیٰ جس دن تو نے مجھے تخلیق کیا اور اپنی روح مجھ میں پھونکی۔ اور میرے وجود کے اعضا حرکت کرنے لگے اور میں نے سب سے پہلے آنکھ کھولی تو میں نے اوپر نظر کی اور ساقِ عرش پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھا ہوا دیکھا اور پڑھا تھا۔ اللہ تعالےٰ نے وحی فرمائی کہ میرے عزت وجلال کی قسم وہ ذاتِ اقدس تمہاری ذریت میں آخری نبیین اور رحمت العلمین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اگر محمدؐ نہ ہوتے اور انہیں جلوہ گر کرنا میرا مقصد نہ ہوتا تو نہ ہی یہ کائنات پیدا ہوتی اور نہ ہی "لوح وقلم" اور نہ ہی مخلوق

ہوتی نہ یہ دُنیا ہوتی اور نہ ہی آدمؑ اور حوّاؑ (علیہ السّلام) ہوتیں

الغرض اسی طرح حضرت آدمؑ کے دن گذرتے گئے۔ اور حضرت آدمؑ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اب تم مکّہ معظمہ کی طرف کا سفر کرو اور وہاں پہنچ کر میرے گھر کا طواف کرو اور حج ادا کرو اور مغفرت کے لئے دُعا کرو خود کیلئے بھی اور تمہاری آنے والی نسل کیلئے بھی۔ وہاں پر مانگی ہوئی دعاؤں کو میں بہت پسند کرتا ہوں اور انہیں قبول فرماتا ہوں۔ وہاں پہنچ کر لوٹنے والا ایسا ہی ہوتا ہے جیسے کہ وہ آج ہی پیدا ہوا ہو (باری تعالیٰ کے اس فرمان میں اور اس مکّہ معظمہ کے مبارک سفر میں اور بھی بہت سے مقاصد پوشیدہ تھے)

حضرت آدمؑ ایک فرشتہ کی راہ نمائی میں مکّہ معظمہ کا سفر کیا اور وہاں پہنچنے کے بعد حضرت جبرئیلؑ بھی وہاں حاضر ہو گئے اور حضرت آدمؑ کو حجِ بیت اللہ کے مناسک اور فرائض بتلائے۔ خانۂ کعبہ شریف کے زیارت اور طواف کئے (ایک روایت میں موجود ہے کہ "حجرِ اسود" کو حضرت آدمؑ جنّت سے اپنے پیٹ سے باندھے ہوئے اپنے ساتھ لائے تھے اور اُسے خانہ کعبہ شریف میں ایک کونے میں نصب کیا۔ ایک اور روایت میں موجود ہے کہ خانۂ کعبہ کو خود حضرت آدمؑ جیسا کہ آپ نے جنّت میں اللہ کے گھر کو دیکھا تھا اُسی طرح پر فرشتوں کی مدد سے اور فرشتوں کو لیکر بنایا تھا۔ ایک اور روایت ایسی بھی ہے کہ خانۂ کعبہ حضرت آدمؑ کے آنے سے پہلے ہی سے موجود تھا (اللہ پاک خوب جانیں)۔۔۔ طواف کے بعد حضرت جبرئیلؑ کے کہنے پر منیٰ ہوتے ہوئے عرفات کے مقام پر پہنچے۔ اور وہاں پر ایک چھوٹے سے پہاڑ پر جا بیٹھے۔ اُدھر اللہ تعالیٰ نے حضرت حوّاؑ کو جو جدّہ میں تھیں ارادہ پیدا فرمایا کہ وہ جدّہ سے عرفات کے میدان کی جانب سفر کریں۔ ایک فرشتہ آپ کی راہ نمائی کرتا رہا۔ حضرت حوّاؑ بھی عرفات کا سفر کیا اور چلتے چلتے مقام عرفات پہنچیں، یہاں کے ایک چھوٹے پہاڑ جسے "جبلِ رحمت" کہتے ہیں اُس کی جانب روانہ ہوئیں، جبلِ رحمت کے قریب پہنچنے کے بعد آپ کو اوپر پہاڑ پر جانے کا ارادہ پیدا ہوا۔ آپ اوپر جانے لگیں تھوڑا بہت اوپر جانے کے بعد آپ کی نظر پہاڑ کے اوپر پہنچی تو آپ نے دیکھا کہ اوپر کوئی بیٹھے ہوئے ہیں

(جبلِ رحمت عرفات کے میدان میں بیچ بیچ ایک بالکل چھوٹا سا پہاڑ ہے اور یہ وہی پہاڑ ہے جس پر حضور اکرم احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ رسولِ خدا پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر اپنے حج کے ایام میں آخری خطبہ دیتے تھے) یہ وہ وقت تھا جبکہ حضرت آدمؑ و حوّاؑ کے سوا روئے زمین پر اور کوئی انسان نہ تھا۔ حضرت حوّاؑ تھوڑا قریب جا کر دیکھا کہ کوئی فلک کیطرف نظریں جمائے بیٹھے ہیں۔ آہستہ آہستہ پہاڑ کے اوپر پہنچیں۔ روئے زمین پر حضرت آدمؑ اور حضرت حوّا کی یہ پہلی ملاقات تھی۔ حضرت حوّاؑ نے قریب پہنچ کر غور سے دیکھا۔ حضرت آدمؑ نے بھی قدموں کی آہٹ پا کر مُڑ کر دیکھا۔ ایک دوسرے کی نظریں آپس میں ملیں۔ ایک دوسرے کو بڑی دیر تک غور سے دیکھتے رہے۔ دونوں اپنی جدائی میں بہت بیتاب تھے۔ دونوں کو آپس میں ملنے کا بہت اشتیاق تھا۔ جنّت کی ملاقات کے بعد آپس میں جو جُدائی کا عرصہ گزرا وہ بہت ہی کٹھن تھا۔ دونوں اکثر اپنی جنّت میں گذری ہوئی یادیں یاد کیا کرتے تھے حضرت حوّا کی نظر جب حضرت آدمؑ پر پڑی تو جم کر رہ گئی۔ حضرت حوّاؑ نے دیکھا کہ حضرت آدمؑ بہت ہی کمزور ہو گئے ہیں۔ اور دُنیا کی آب و ہوا کا کافی اثر آپ پر ہوا ہے۔ اُس وقت حضرت جبرئیلؑ وہاں پر حاضر ہو کر پھر سے آپ دونوں کو ایک دوسرے کے تعارف کے ساتھ ملایا۔ حضرت آدمؑ نے بھی حضرت حوّاؑ کو پہچان لیا تھا اور اس ملاقات سے دونوں بہت خوش ہوئے۔ یہ حضرت آدمؑ اور حضرت حوّا کا دُنیا کے مبارک سرزمین پر طویل مدّت کے بعد ملاقات کا دن تھا۔ اس دن کو "یوم عرفہ" یعنے ملاقات کا دن قرار دیا گیا۔ (اس زمانے سے حجاج کرام اسی دن یعنے ذی الحجہ کی ۹ ویں تاریخ کو جو یومِ عرفہ ہے یعنی ملاقات کا دن" ہے۔ اس عرفات کے میدان میں جمع ہوتے ہیں اور قیامت تک انشاءاللہ جمع ہوتے رہیں گے اور حضرتِ آدمؑ اور حضرتِ حوّاؑ کی ملاقات کی یاد کو تازہ کرتے رہیں گے) حضرت جبرئیلؑ آپ دونوں کو ملایا تو دونوں آپس میں مل کر بہت بہت روئے اور اپنے گناہوں اور خطاؤں کو یاد کرتے اور روتے رہے۔

اللہ ربّ العلمین سے اپنے خطاؤں کو درگذر کرنے کی دعائیں کرتے (اس دن سے قیامت تک انشاءاللہ ہر حاجی اس میدان میں حاضر ہونا اپنے آپ کے لئے

اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا ہوا اپنی زندگی کا سب سے بہترین دن سمجھتے ہیں، اور اپنے حق میں اور اپنے اگلوں اور پچھلوں کے حق میں رو رو کر دعائیں کیا کرتے ہیں۔ اس میدان کی خیر و برکت، یہاں کی عظمت اور قدرت سے بھرپور ماحول صرف وہی خوش نصیب لوگ سمجھ سکتے ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے یہاں پر اس مبارک دن جمع ہونے کی توفیق عطا کی ہو وہ لوگ وہ حاجی بہت ہی خوش نصیب ہیں جنہیں "یوم عرفہ" عرفات کے میدان میں گزارنے کا موقع ملا ہو، یہ دن اُن کے زندگی کا سب سے انمول اور بہترین دن ہوگا۔ وہ بہت ہی تقدیر والے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق عرفات کا میدان ہی حشر کا میدان ہوگا۔ اس عرفات کے میدان کو اللہ تعالیٰ نے اور بھی فضیلتیں دے رکھی ہیں)

الغرض حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کی ملاقات ایک مبارک سرزمین پر ہوئی۔ آپ دونوں اللہ تعالیٰ کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور اُس کے حق میں سجدے کئے کہ باری تعالیٰ نے آپ دونوں کو پھر سے ملا دیا۔ آپ دونوں اپنی آنے والی نسل اور اس مبارک سرزمین پر قیامت تک جمع ہونے والے خوش نصیب حاجیوں کے حق میں بھی دعائیں کیں۔ دن بھر دعائیں کرتے اور سجدے کرتے رہے جب مغرب کا وقت قریب آنے لگا تو حضرت جبرئیلؑ نے آپ دونوں کو سورج کے غروب ہونے کے ساتھ ہی عرفات کے میدان کو چھوڑ دینے اور یہاں سے "مزدلفہ" کے مقام پر پہنچ کر رات کا قیام کرنے اور عبادت میں گزارنے کی ہدایت فرمائی۔ آپ دونوں نے ایسا ہی کیا۔ آپ دونوں کا آپس میں ملکر زمین پر یہ پہلا سفر تھا جو عرفات سے مزدلفہ کے لئے کیا۔ آپ دونوں مزدلفہ میں رات گزار کر صبح منیٰ کے میدان کی طرف روانہ ہوگئے۔ اور منیٰ میں تین دن کا قیام کیا۔ اس دوران حضرت آدمؑ نے حضرت حواؑ کو اپنے گزرے ہوئے دن اور ہند سے سفر کر کے مکہ معظمہ آنے کے سفر کے متعلق بتلاتے رہے اور یہ بھی بتلائے کہ انہوں نے خانہ کعبہ شریف کی زیارت کی اور اس کا طواف ادا کیا، یہ سب احکامات حضرت جبرئیلؑ نے انہیں بتلائے یہ سن کر حضرت حواؑ نے بھی خواہش ظاہر کی کہ وہ بھی خانہ کعبہ شریف کا طواف

اور زیارت کریں گے۔ حضرت آدمؑ اپنے منیٰ کے قیام کے دوران ہی حضرت حواؑ کو مکہ معظمہ لیکر گئے اور بیت اللہ شریف کا طواف و زیارت کروائے حجرِ اسود کو بوسہ دیا اور پھر منیٰ کے لئے واپس آگئے (آج بھی حاجی صاحبان ایسا ہی کرتے ہیں۔ اپنے منیٰ کے قیام کے دوران ہی مکہ معظمہ جاکر کعبۂ شریف کا طواف کرتے اور پھر منیٰ کیلئے واپس آجاتے ہیں اس کو طوافِ زیارت کہتے ہیں)

منیٰ کے میدان کے قیام کے دوران اللہ تعالیٰ نے آدمؑ سے معلوم کیا۔ "اَیّ شیئٍ مُنیٰ" یعنی آپ کی خواہش کیا۔ حضرت آدمؑ نے فرمایا۔ "اَتمنیٰ المَغفِرَۃَ وَالرَّحمَۃَ"۔ میں مغفرت اور رحمت کی تمنا کرتا ہوں۔ اسی سبب سے اس مقام کا نام مِنیٰ کہا جانے لگا۔ (عرفہ کے معنے ملنے کے ہیں تو منیٰ کے معنے خواہش کے ہیں) حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ اپنی مرادوں کو حاصل کیا اور قبولِ توبہ سے مشرف ہوئے۔ اللہ ربّ العٰلمین کا شکریہ ادا کیا۔

وَالحَمدُ لِلّٰہِ عَلیٰ ذٰلِکَ۔ منیٰ کے قیام کے بعد آپ دونوں مکہ معظمہ پہنچے اور ہمیشہ کعبۂ شریف کا طواف و زیارت کیا کرتے تھے۔ اور دونوں مکہ معظمہ میں ہی سکون و اطمینان کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اور ہمیشہ اللہ کی عبادت میں مصروف رہتے۔ اُس زمانے میں خطۂ زمین پر آدمؑ و حواؑ کے علاوہ کوئی بشر نہ تھا اور خانۂ کعبہ کے علاوہ کوئی گھر نہ تھا۔ ایک روایت کے مطابق حضرت آدمؑ فرشتوں کی مدد سے خانۂ کعبہ کو خود "بیت المعمور" کی طرز پر تعمیر کیا تھا۔ بیت المعمور جنت میں خانۂ کعبہ کے ٹھیک سمت میں واقع ہے وہاں پر فرشتے اور ملائکہ اس کا ہمیشہ طواف کیا کرتے ہیں اور حج کے زمانے میں دوسرے آسمانوں سے بھی فرشتے و ملائکہ بیت المعمور آجاتے ہیں اور حج شریف ادا کرتے ہیں۔ اور بعض فرشتے و ملائکہ لاکھوں کی تعداد میں زمین پر خانۂ کعبۂ شریف بھی آتے ہیں اور حاجیوں سے مصافحہ کرتے ہیں اور انہیں خوشخبری دیتے ہیں اور مبارک بادی پیش کرتے ہیں۔ یہ بات اور ہے کہ وہ حاجیوں کو نظر نہیں آتے لیکن وہ انہیں کے درمیان موجود رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی انہیں کو گواہ رکھ کر کہتا ہے کہ دیکھو میرے بندے صرف میری رضا کی خاطر

کتنے دور دراز سے تکالیف و دشواریاں برداشت کرتے ہوئے آئے ہیں فرشتوں اور ملائکہ سے مخاطب ہو کر اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ تم گواہ رہنا میں ان کے تمام گناہوں کو معاف کر دیا۔ چاہے وہ سمندر کی جھاگ کے برابر بھی کیوں نہ ہوں۔

حضرت آدمؑ و حضرت حواؑ مکہ معظمہ میں ایسے ہی چند دن سکون کے ساتھ گزارنے کے بعد حضرت آدمؑ حضرت حواؑ سے واپسی کا خیال ظاہر کیا اور آپ دونوں خانۂ کعبہ کا "طوافِ الوداع" ادا کیا اور بیت اللہ شریف کو حسرت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے سراندیپ علاقہ ہند کے لئے واپس ہو گئے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت آدمؑ ہند سے چالیس مرتبہ خانۂ کعبہ شریف تشریف لائے اور حج و زیارت ادا کئے یہ پورے حج آپ نے بری راستے سے پیدل چل کر ادا کئے تھے۔ آپ کا سفر سندھ، فارس شام وغیرہ کے علاقوں سے ہوا کرتا تھا۔ ان حجوں میں کئی مرتبہ حضرت حواؑ بھی ساتھ میں ہوتیں اور کئی مرتبہ حضرت آدمؑ تنہا ہی حج ادا کئے ہیں لیکن آپ کے آخری ایام میں آپ دونوں مکہ معظمہ میں ہی قیام کیا اور آپ دونوں اپنے اولادوں کے ساتھ حج ادا کیا کرتے تھے۔

اللہ پاک کی مرضی کے مطابق اب سلسلۂ "توالد و تناسل" شروع ہو چکا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت حواؑ انتیس (۲۹) بار حاملہ ہوئیں اور ہر مرتبہ ان کے دو بچے پیدا ہوتے جن میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوتی تھیں اور سب سے آخر میں ایک حمل میں صرف شیث علیہ السلام پیدا ہوئے چند برسوں میں حضرت آدمؑ کی نسل بہت زیادہ ہو گئی تھی۔

دُنیا میں پہلی موت ہابیل کی ہوئی تھی اور یہ موت قتل سے ہوئی اور اس کا سبب عورت تھی، آدمؑ کی اولادیں بچوں کے سنِ بلوغ کو پہنچنے کے بعد ایک کا دوسرے حمل سے پیدا ہونے والے لڑکے یا لڑکی سے مرضیِ مولا کے تحت عقد (نکاح) ہوتا تھا سب سے پہلے حمل میں پیدا ہونے والا قابیل اور اس کی بہن اقلیما تھیں۔ دوسرے حمل میں ہابیل اور اس کی بہن لبود پیدا ہوویں۔ حکم الٰہی کے مطابق قابیل کی شادی لبود سے اور ہابیل کی شادی اقلیما سے ہونی تھی لیکن اقلیما بہت ہی خوبصورت حسن و جمال کی شاہکار تھیں اور لبود کی خوبصورتی

کچھ کم تھی۔ بس قابیل اور ہابیل میں اس شادی کے سبب آپس میں جھگڑا ہو گیا، اور نتیجہ یہ ہوا کہ قابیل کے ہاتھوں ہابیل کا قتل ہوا اور وہ انتقال کر گئے۔

حضرت شیثؑ کی پیدائش سے پہلے حضرت جبرئیلؑ آدمؑ و حواؑ کو نہر جنت میں غسل کروائے اور جنتی پھل اور میوے حضرت آدمؑ و حضرت حواؑ کو کھانے کے لئے لا کر دیا کرتے تھے اور یہ پھل اور میوے کھانے کے بعد ہمبستر ہوویں اور ہمیشہ بہشتی خوشبوؤں سے معطر رہتے، اس صحبت کے نتیجہ میں نور محمدیؐ حضرت آدمؑ سے حضرت حواؑ کو منتقل ہو گیا اور یہ نور رحم حواؑ میں جلوہ گر رہا اور حضرت شیثؑ کی ولادت ہوئی جب حضرت شیثؑ پیدا ہوئے تو نور محمدیؐ آپ کے پیشانی پر چمک رہا تھا۔

حضرت شیثؑ سن بلوغ کو پہنچے تو آپ کی شادی جنت کی ایک حور سے ہوئی اور اس حور کا نام مخوائلہ تھا اور نور محمدیؐ اسی طرح منتقل ہوتا رہا۔ حضرت آدمؑ اپنے آخری حج شریف کے سفر پر حضرت شیثؑ اور حضرت حواؑ اور آپ کے چند اولاد اور پوتے اور نواسوں اور دیگر احباب کو لیکر مکہ معظمہ پہنچے۔ حضرت آدمؑ بہت کمزور ہو گئے تھے اس حج و زیارت کے سفر کے وقت حضرت آدمؑ اپنے ساتھ وہ سب انمول چیزیں رکھ لئے تھے جو انہیں اللہ تعالےٰ سے جنت سے واپسی کے وقت ملے تھے اور وہ چیزیں بھی جو گاہ گاہ حضرت جبرئیلؑ نے جنت سے لا کر دیا کرتے تھے۔ سب امانتیں اپنے ساتھ لئے ہوئے آپ نے مکہ معظمہ میں قیام فرمایا۔ اس زمانے تک آپ کی نسل بہت زیادہ ہو گئی تھی۔ زمین کے کئی خطوں میں آپ کی نسل بسی ہوئی تھی۔ ملک ہند میں زیادہ تھی۔ کیونکہ آپ کا زیادہ عرصہ ملک ہند میں ہی گزرا ہوا تھا۔

حضرت آدمؑ حضرت شیثؑ کو بہت زیادہ چاہتے تھے اور انہیں ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ اس مرتبہ آپ کے ساتھ حضرت حواؑ کے علاوہ حضرت شیثؑ اور حضرت مخوائلہ اور دیگر احباب بھی تھے۔ حضرت آدمؑ حضرت شیثؑ کو ہمیشہ تعلیم دیا کرتے تھے۔ اور آپ انہیں ظاہری اور باطنی علم جو آپ کو رب العلمین سے ملا تھا وہ سب سکھلاتے تھے اور حضرت شیثؑ اور دیگر خاندان کے افراد کو حج شریف کیسے ادا کرنا ہے اس کے مناسک بتلاتے۔ اور

حج شریف کے ایام آئے تو آپ نے اپنے احباب کے ساتھ حج ادا کرتے۔ آپ کو بار بار وہ باتیں یاد آتیں جو پہلے حج شریف کے موقع پر حضرت جبرئیلؑ نے بتلائے تھے اور آپ اور حضرت حواؑ کی جنت سے نکلنے کے بعد زمین پر پہلی مرتبہ مقام عرفات میں کیسے ملاقات ہوئی وہ سب باتیں بتلاتے حج شریف ادا کرنے کے بعد حضرت آدمؑ اپنے احباب کے ساتھ مکہ معظمہ ہی میں قیام فرمایا۔ لیکن حضرت آدمؑ اپنے قریب ہمیشہ شیثؑ کو ہی رکھا کرتے تھے۔ اور انہیں تعلیم دینے میں کافی وقت گزارتے تھے حضرت شیثؑ کو وہ سب باتیں جن میں راز و اسرار پوشیدہ تھے بتلایا کرتے اور بہت سی باطنی عبادت اور اس کا عمل کیسے کیا جاتا ہے وہ سب کرواتے تھے حضرت شیثؑ علم باطنی سے کافی آشنا ہو چکے تھے۔ ایک دفعہ تصوف پر گفتگو ہو رہی تھی باتوں باتوں میں یہ بات روبرو آئی کہ حضرت آدمؑ سے خطا کیسے ہوئی، جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے رازوں اور بھیدوں سے بخوبی واقف تھے حضرت آدمؑ اس منزل پر گفتگو کرتے ہوئے آپ خود بتلائے کہ اللہ رب العلمین اور میرے درمیان بہت سے خاص بھید پوشیدہ تھے، جو دوسری کوئی مخلوق ان کو ہرگز نہیں جانتی تھی، انہیں رازوں میں ایک راز یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھے خطاوار کہیگا اور میں اُسے غفور الرحیم کہونگا۔ کیونکہ "عفو" قدرت میں تھی تو "خطا" بندے میں آئی۔ یہی راز تھا کہ میں خطاوار بنا اور اللہ تعالےٰ کی جو مصلحت تھی اُس کو مکمل کرنے کیلئے دُنیا میں آیا۔ اگر میں دنیا میں نہ آتا تو نہ تم ہوتے اور نہ قیامت تک کا جو نقشہ قدرت نے تیار کر چکا تھا وہ ظاہر ہوتا۔

حضرت آدمؑ کو اپنے آخری سفر کے کچھ اشارے ملنے لگے تھے۔ آپ جان چکے تھے کہ اب "دارالفناء" سے "دارالبقاء" کی طرف روانہ ہونے کا وقت بالکل قریب آگیا ہے۔ آپ حضرت شیثؑ کو ایک ایک امانت جو امانتیں اللہ رب العلمین سے ملے تھے وہ دینے لگے، انہیں امانتوں میں سے ایک یہ بھی امانت "تابوتِ سکینہ" تھی۔ تابوتِ سکینہ جو بہشت سے حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ سے ملا تھا۔ یہ تابوتِ سکینہ بھی حضرت شیثؑ کو عطا کیا۔ اس تابوت سکینہ میں انبیاء علیہ السلام کی شبیہیں تھیں

اور ایک عہد نامہ تھا اور دوسری چند مقدس چیزیں تھیں اور یہ ہدایت دیگئی کہ ان چیزوں کو اس میں ہمیشہ محفوظ رکھا جائے اور عہدنامہ (شجرۂ مبارک) جو اللہ تعالےٰ سے ملا تھا اس میں یہ بھی تحریر تھا کہ یہ عہدنامہ اسی طرح نسلاً بعد نسل لکھا جائے اور اس کو اسی تابوت سکینہ (ایک انمول صندوق) میں محفوظ رکھا جائے اور انبیاء و اصفیاء کی تحویل میں اس کو دیا جائے اور اسکی حفاظت کیجائے، اور اس کو انبیاء و اصفیاء کے علاوہ کوئی نہ کھولے اور نہ ہی اِن میں جو چیزیں محفوظ رکھی گئیں ہیں اُنکا استعمال کریں۔ یہ صرف انبیاء و اصفیاء ہی کے تحویل میں رہیں گے اور یہاں تک کہ حضور پُرنور خاتم الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک حفاظت کے ساتھ پہنچے۔

حضرت آدمؑ کیونکہ اب جان چکے تھے کہ آپ کے آخری ایام ہیں اور یہ ایام بہت جلد ختم ہونے والے ہیں۔ آپ نے حضرت شیثؑ کو چند وصیتیں اور نصیحتیں فرمائیں اور کہا کہ ان پر خود بھی عمل کرنا اور اپنی اولاد اور آنے والی نسل کو بھی عمل کرنیکی ہدایت فرمانا

- دُنیا سے دل نہ لگانا اور فانی چیزوں پر نظر نہ رکھنا۔
- کسی کام کے کرنے سے پہلے اُس کے انجام کو دیکھ لینا۔
- جب دل کسی کام کے کرنے سے روکتا ہے تو اس پر بھرپور توجہ کر لینا۔
- عورتوں کے کہنے پر عمل نہ کرنا۔ جب تک اسکو اچھی طرح جانچ لیا نہ گیا ہو۔
- کسی کام کے کرنے میں اگر مشورہ کی ضرورت ہو تو ضرور مشورہ لے لینا۔
- راز کے باتوں کو مخفی ہی رکھنا اور صرف چھپا کر رکھنے والے کو اُسکے قدرِ عقل کو جانتے ہوئے ہی دینا
- حق اپنے میں ہے اسکو پانے کی کوشش کرنا۔ اور ہمیشہ میں نہیں حق ہے سمجھنا۔

ان وصیتوں کے بعد نورِ محمدیؐ کی محافظت میں بہت سی راز کی باتیں بتلائیں اور اسی تابوتِ سکینہ سے چند چیزیں نکال کر سمجھایا کہ اقرارِ توحید "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" کی شہادت اور آنے والے انبیاء علیہ السلام میں سے ہر ایک پر نازل ہونے والے صحیفے (کلام الٰہی) کی تصدیق فرمائی۔

حضرت شیثؑ نے درخواست کی کہ آنے والے پیغمبروں سے اُنہیں متعارف کرایا جائے۔ تو حضرت آدمؑ نے ایک سفید کپڑے میں رکھا ہوا صحیفہ جو صندوق میں رکھا ہوا تھا نکال کر اس کو کھولا جو بہت طویل تھا اور اس میں کُل انبیاء علیہ السلام کی شبیہیں (شکلیں) سب کے نام اور صفات ان کی نبوّت کی نشانیاں ان کے معجزات، ان کے زمانے اور اوقات سب کچھ درج تھا وہ دِکھا کر سمجھائے۔ حضرت آدمؑ نے حضرت شیثؑ کو ایک ایک شبیہ دکھلاتے اور اُن کے متعلق بہت سی باتیں سمجھاتے تھے تاکہ وہ اپنے آنے والی نسل کو بتلا سکیں سب سے آخر میں حضورِ اکرم سردارِ انبیاء آقائے دو عالم حضرت محمد مصطفےٰ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ السلام کے متعلق تفصیل سے ذکر فرمایا اور آپؐ کے بہت سے بھیدوں سے آگاہ فرمایا اس کے بعد اس صحیفہ کو لپیٹ کر اس صندوق (تابوتِ سکینہ) میں رکھا۔ اِسی تابوتِ سکینہ میں ایک سبز کپڑا اور ایک کالا کپڑا بھی موجود تھا۔ یہ دونوں کپڑے بہت ہی متبرک تھے اور یہ حضرت آدمؑ کو جنّت میں تختِ خلافت کے وقت اللہ ربّ العٰلمین سے ملے تھے یہ سب چیزیں حضرت شیثؑ کے سپرد فرمایا اور اس کے بعد تختِ خلافت سے سرفراز فرمایا جیساکہ ربّ العزّت نے آپ کو فرمایا تھا۔ اور کہا کہ جیسے کہ مجھے ربّ العٰلمین سے خلافت عطا ہوئی تھی اور بارِ امانت ملی تھی ویسے ہی بارِ امانت اب میں تمہیں عطا کیا ہے اب تم میرے خلیفہ اور نائب ہو، لہٰذا تم خلافت کی تعمیر تقویٰ سے کرنا۔ اور جو شریعت خداوندِ کریم نے مجھ پر نازل فرمائی ہے اس پر تم بھی بھرپور عمل کرنا اور جب بھی ذاتِ باری تعالیٰ کا نام لیا جائے اس نام کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی لے لینا اس کے بعد آپ نے اپنی انگشتری جو سعادت و دولت کی ضامن تھی حضرت شیثؑ کو عطا فرمائی، اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اب میری موت کا وقت قریب آگیا ہے۔

روایت میں موجود ہے کہ حضرت آدمؑ کی وصیّت کے مطابق "تابوتِ سکینہ" انبیاء و اصفیاء کی حفاظت سے ہوتا ہوا حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ علیہ السلام تک پہنچا اور عہد نامہ برابر ہدایت کے مطابق جاری رہا۔

حضرت ابراہیمؑ کے بعد یہ اہلِ کتاب پیغمبروں کی حفاظت میں رہا۔ ہر ایک نے اس کی بہت حفاظت فرمائی اور اس میں جو جو نعمتیں موجود تھیں ان کے ساتھ اپنے اپنے دور کے اللہ تعالیٰ سے عطا کئے ہوئے چیزیں بھی اسی صندوق (تابوتِ سکینہ) میں محفوظ کر دیتے تھے۔ اسی طرح یہ چلتا چلتا اپنی آخری منزل تک پہنچا۔ اور آخر کار اس تابوت سکینہ کو مکہ معظمہ میں ہی ایک بہت ہی مقدس مقام میں دفن کر کے محفوظ کر دیا گیا، جو انشاء اللہ قیامت تک وہیں رہے گا۔

جب حضرت آدمؑ پر مرض کا شدید حملہ ہوا تو آپ کو جنتی میوے اور زیت و زیتون کی خواہش ہوئی۔ آپ نے اپنے فرزند خلیفہ و نائب حضرت شیث علیہ السلام سے فرمایا کہ تم طورِ سینا جا کر دربارِ بارگاہِ خداوندی تعالیٰ میں میری خواہش کو پیش کرو۔ حضرت شیثؑ نے حکم کی تعمیل کی اور طورِ سینا جا کر آسمان کی طرف منہ کر کے بارگاہِ خداوند تعالےٰ میں دعا و التماس کی کہ اے ربّ العٰلمین تیرے بندے اور خلیفہ و نائب حضرت آدمؑ تجھ سے التجاء کی ہے کہ انہیں جنتی زیت اور زیتون کی خواہش ہے وہ تجھ ہی سے مانگتے ہیں حضرت شیثؑ کی دُعا کے درمیان ہی میں ندا آئی "تَعَبَدَ هَاتَ" اپنا لکڑی کا پیالہ (کشکول یا کچکول) لاؤ۔ جب شیثؑ نے اپنا لکڑی کا پیالہ کشکول جو انہیں آپ کے والد و مرشد حضرت آدمؑ سے ملا تھا سامنے رکھا تو یہ دونوں چیزیں جن کی خواہش حضرت آدمؑ نے کی تھی وہ عالم الغیب سے مہیا ہو گئیں۔ اور ان کو لے کر حضرت شیثؑ اپنے بزرگوار والد و مرشد کی خدمت میں پہنچے اور یہ دونوں چیزیں اُن کے روبرو حاضر کیا۔ حضرت آدمؑ نے زیتون اپنے بدن پر ملا اور اس سے کچھ تناول بھی فرمایا۔ تو مرض بالکل زائل ہو گیا۔ اور اپنے آپ کو بالکل تندرست محسوس کرنے لگے۔ چند دن گزرنے کے بعد مرض پھر سے زیادہ ہوا حضرت آدمؑ نے معلوم کر لیا کہ اب تو جدائی کے دن بہت قریب آ گئے ہیں۔ آپ کو پھر سے جنتی میووں کی خواہش ہوئی، لیکن آپ نے ظاہر نہیں کیا۔ اسی دوران حضرت جبرئیلؑ نے جنتی میووں کے ساتھ ساتھ فرشتوں اور ملائکوں کے ہمراہ ایک طبق میں جنتی خوشبوئیں اور

کفن بھی لے کر آئے اور فرشتے و ملائکہ حضرت آدمؑ کے گرداگرد جمع ہو گئے حضرت جبرئیلؑ نے حضرت آدمؑ کو سلام عرض کیا اور حال دریافت فرمایا۔ حضرت آدمؑ پر مرض کا پورا پورا اثر ہو چکا تھا۔ آپ اتنے کمزور ہو گئے تھے کہ عیادت کیلئے کھڑا ہونا بھی ممکن نہ تھا۔ آپ دیکھ رہے تھے کہ فرشتے اور ملائکہ آپ کو گھیرے ہوئے کھڑے ہیں۔ ملائکہ فرشتے اور حضرت جبرئیلؑ نے پھر سے سلام عرض کیا۔ "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا آدَمُ نَبِیَّ اللّٰہِ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ"۔

حضرت آدمؑ نے سلام کا جواب دیا اور سمجھ گئے کہ یہ سلام آخری آرامگاہ کی سلامتی کا ہے حضرت شیثؑ جو بہت دیر سے اپنے مرشد (والد) کے قریب ہی تھے اب باہر جا کر اپنے دیگر احباب کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ لیکن حضرت حواؑ آپ کے بازو ہی بیٹھی ہوئی تھیں۔ رنج و الم میں ڈوبی سب کچھ دیکھ رہی تھیں۔ حضرت حواؑ کو بھی معلوم ہو گیا تھا کہ اب پھر سے جدائی کا وقت آ چکا ہے۔ حضرت آدمؑ نے اشارے سے حضرت حواؑ کو کنارہ کر لینے کے لئے کہا، لیکن حواؑ باہر جانے کے لئے بالکل تیار نہ تھیں۔ حسرت بھری نظروں سے دیکھتی بیٹھی رہیں اور آنکھوں سے آنسو بھی جاری تھے۔ آپ نظروں ہی نظروں میں اپنے سرتاج کو گویا یہ کہہ رہی تھیں کہ مجھے یہاں سے جانے کیلئے نہ کہیں۔ آپ مجھے اپنے ساتھ ہی رہنے دیں، اور اپنے ساتھ ہی لیتے جائیں۔ حضرت آدمؑ نے حضرت حواؑ کی پریشانی اور رنج کو محسوس کر لیا اور آپ بھی اپنے ہی وجود و ہمتن حضرت حواؑ کو حسرت بھری نظروں سے دیکھا اور پھر اشارہ کیا کہ کنارہ کر لیں۔ "مرضیِ مولا یہی ہے"۔ حضرت حواؑ نے حضرت آدمؑ کے ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لئے اور اپنی خاموش زبان ہی سے سب کچھ کہتی رہیں۔ حضرت حواؑ نے اپنے سرتاج کو اپنی خاموش زبان سے گویا یہ کہتے ہوئے محسوس کیا کہ غم نہ کریں تمہارا انتظار جنت میں کرونگا اور ہم پھر سے ہمیشہ کیلئے ایک دوسرے سے ملیں گے اور ساتھ ساتھ رہیں گے، میں تمہارا منتظر رہوں گا۔ ایسی ہی خاموش گفتگو بہت دیر تک ہوتی رہی۔ اس کے بعد حضرت حواؑ نے جو بہت دیر سے اپنے خاوند کے ہاتھ مضبوطی سے پکڑے ہوئی تھیں آہستہ آہستہ ان ہاتھوں کو بوسہ دیتے ہوئے چھوڑا۔ آنکھوں سے آنسوں برابر جاری تھے۔ غم میں ڈوبی ہوئی رنج و الم کے عالم میں الوداع کہتے ہوئے باہر چلی گئیں۔

اللہ رب العلمین نے اپنے خلیفہ اور نائب حضرت آدمؑ کی واپسی کے لئے جنت کو پہلے سے کہیں زیادہ آراستہ و پیراستہ کر کے اسکو بہت ہی پُرنور و پُررونق بنا رکھا تھا۔ اور اس آراستہ اور پُررونق جنت کی ایک جھلک حضرت آدمؑ کو دکھلائی اور آپ کو جنت میں انکی قیامگاہ کی جگہ بھی دکھلائی، حضرت آدمؑ کا قلب اور خیال اب صرف اللہ رب العلمین کی حضوری میں حاضر ہونے کی طرف لگے ہوئے تھے۔ اور دُنیا آپ کے قلب سے نکل چکی تھی۔ آپ کی نظریں جم کر رہ گئیں تھیں اور آپ ذکرِ نفی و اثبات میں مشغول تھے۔

حضرت جبرئیلؑ نے ملک الموت کو کہا کہ حضرت آدمؑ کی روح کو نہایت آسانی اور محبت کے ساتھ قبض کریں" اتنی آسانی سے کہ آپ کو اس کا اندازہ تک نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا حکم بھی ایسا ہی ہے، کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اور نائب ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمیں اور کُل فرشتوں اور ملائکہ سے آپ کو سجدہ کروایا ہے۔ ملک الموت نے حکم کی تعمیل کی اور نہایت ادب و احترام کے ساتھ اپنے کام سے فارغ ہو گئے اور حضرت آدمؑ کی روح کو قبض کر لی (انا للہ وانا الیہ راجعون) حضرت جبرئیلؑ نے آپ پر چادر ڈھانپ دی اور حضرت شیثؑ کو ان کے غسل دینے کا طریقہ بتلائے غسل و کفن نہلانے کے بعد کُل اولادِ آدمؑ جو دیدار و زیارت کیلئے دُور دُور سے آکر جمع ہو گئے تھے آپ کی دیدار کی۔ اور جب حضرت حواؑ دیدار کیلئے آئیں تو بہت ہی رنجیدہ تھیں اور آنکھوں سے بیساختہ آنسوں جاری تھے۔ بہت روئیں، اپنے سرتاج کے ساتھ گزاری ہوئی زندگی کو اور آپ کے ساتھ جنت میں گذری ہوئی زندگی کو یاد کر کے رویا کرتی تھیں۔ آخرکار رنج و الم میں ڈوبے ہوئے دل کے ساتھ اپنے سرتاج کو الوداع کہا۔

نمازِ جنازہ ادا کرنیکا وقت آیا تو حضرت شیثؑ نے حضرت جبرئیلؑ کو نمازِ جنازہ پڑھانے کو کہا۔ لیکن حضرت جبرئیلِ امینؑ نے حضرت شیثؑ کو ہی نمازِ جنازہ پڑھنے کی دعوت دی۔ اور اس طرح حضرت شیثؑ نے چار تکبیروں کے ساتھ نمازِ جنازہ ادا کیا۔ جنازہ اٹھایا گیا۔ جنازہ کے ساتھ حضرت آدمؑ کے کُل احباب جمع تھے، وہ اور فرشتوں اور ملائکہ کے ساتھ قطار در قطار چلتے رہے اور کھاندا دیتے رہے۔ حضرت آدمؑ علیہ السلام کو بمقام "جبل ابو قبیس" کے دامن میں "غار کنز"

(انمول خزانوں سے بھرا ہوا مقام) میں دفن کیا گیا۔ جبل ابو قبس مکہ معظمہ کے قریب میں واقع ہے اور خزانوں اور بھیدوں سے بھرپور جگہ کعبہ شریف کی جگہ سے بڑھ کر اور کونسی ہو سکتی ہے جہاں کی خمیر تھی وہیں پہنچ گئے حقیقت کا علم اللہ پاک کو بہتر ہے۔ "واللہ اعالم بالخیر"۔

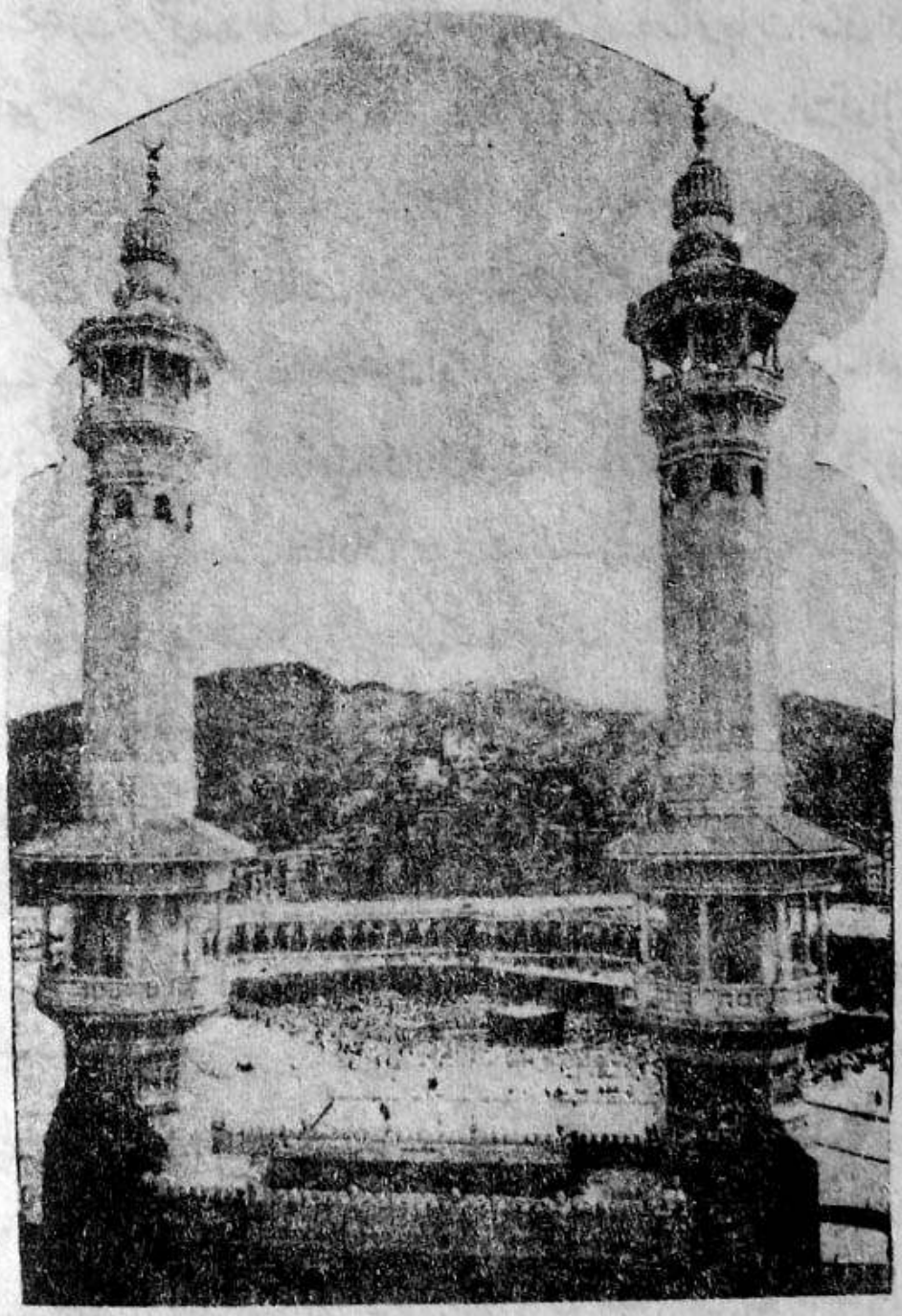

آیئے آدمؑ کو تصوف کی گہرائی میں دیکھیں!!!

اَلْاِنْسَانُ سِرِّیْ وَاَنَا سِرُّہٗ "انسان میرا بھید ہے اور میں اسکا بھیدی ہوں"

انسان قدرت کا ایک گہرا راز ہے تو انسان میں قدرت بھی ایک گہرا بھید ہے جب تک ان بھید و بھیدی کے اسرار کے پردے اُٹھ نہیں جاتے بھید بھید ہی رہ جاتا ہے۔ آیئے! اسی بھید کے چند پردوں کو اٹھائیں۔ بھید بھیدی میں پوشیدہ ہے تو بھیدی میں بھید چھپا ہے۔ دریا میں قطرہ، قطرہ میں دریا پوشیدہ ہے تو دانے میں درخت، درخت میں دانا چھپا ہوا ہے اسی طرح آدم میں دَم اور دَم میں آدم ہے۔ اور آدم میں کل اسرار و بھید موجود ہیں۔ دَم کا بھید عجیب ہے، اس بھید میں ان گنت راز پوشیدہ ہیں۔

ان رازوں میں سے اگر ایک راز کو ہی لیں اور اس راز کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کریں اور اس میں چھپے ہوئے خزانوں کو دیکھیں تو ایک اشارہ یہ بھی روبرو آتا ہے کہ دَم کے کھیل میں جو کوئی بھی کھیلتا ہے وہ آدم ہے۔ آدمؑ میں کل کائنات، ملک و ملکوت موجود ہیں۔ ویسے ہی کل کائنات، ملک و ملکوت میں آدمؑ موجود ہے۔ اس لحاظ سے ہر شئے جس میں دَم ہے وہ آدم ہے۔ چرند، پرند و درند اور تمام ذی روح جانداروں کے علاوہ کواکب افلاک، عناصر جمادات، نباتات، علاوہ ازیں دیگر مخلوقات سب آدم ہیں۔ کیونکہ حضرتِ انسان کامل و مکمل ہے اور کل بھیدوں کا بھید ہے۔ اسی لئے اس کو آدم بھی کہتے ہیں جو سب سے اچھا اور بہترین ہے۔ اس کو "اَشْرَفُ الْمَخْلُوْقَاتْ" کا شرف بھی حاصل ہے، یعنی بہترین آدم ہے اٹھارہ ہزار مخلوقات کے اوپر اس کا شرف موجود ہے۔ خاکی وجود میں نوری وجود سمایا ہے اور اس کے ساتھ ہی روح بھی شامل ہوئی ہے۔ روح کے شامل ہوتے ہی دم آیا ہے اسی دم کی وجہ اس کو آدم بھی کہتے ہیں جو ایک گہرا اسرار بنا ہوا ہے۔

آدمؑ اگرچہ کہ نور ہے لیکن خاکی کے نام سے مشہور ہے کیونکہ نوری کو خاکی لباس میں ظاہر ہونا تھا اس لئے آدمؑ کو آب و گل کے ذریعے وجود میں آنا ہوا۔ آدمؑ کے اندر جو نوری وجود موجود ہے اسی وجود نے خاکی لباس پہنا ہے۔ اس خاکی لباس کی وجہ اس کا سایہ پڑھا ہے آدمؑ میں وہ قوت موجود ہے کہ وہ اس خاکی لباس کو اتار سکتا ہے۔ آدمؑ اگر "ھُوَالنَّارُ اِذَا وَقَعَ فِی الْقَلِبِ" کی ضرب سے اس خاکی لباس کو جلا کر باہر نکل آئیں تو نور ہی نور رہے گا، اور اس کا سایہ بھی نہیں ہوگا۔ آدمؑ میں دم اور دم میں ذکر موجود ہے اور اس ذکر کو "اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" یا "نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ" بھی کہتے ہیں۔ اور یہ دم ہمیشہ فنا و بقا کا راگ گاتا رہتا ہے اس کے منزلِ مقصود کو "ھاھوت" بھی کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے نور سے نورِ محمدیؐ اور نورِ محمدیؐ میں ذکر موجود ہے۔ تصوف کے دائرے میں ذکر دم کو بھی کہتے ہیں، اور یہ آنے اور جانے میں لگا ہوا ہے۔ اور ہر آن فنا و بقا کی منزل طے کرتا رہتا ہے اور مکان سے لامکان اور لامکان سے مکان کی سیر میں لگا ہوا ہے۔ جب کہ ذکر میں سب کچھ پوشیدہ ہے نورِ محمدیؐ ہو یا ذکر یا آدم، ان کو نور، روح، عقل اور قلم سے تشبیہ دی گئی ہے۔ آدمؑ کو قدرت نے خود اپنے قدرتی ہاتھوں سے بنایا۔ آدمؑ کو شکل و صورت دینے میں قدرت کو بڑی محنت و مشقت کرنی پڑی۔ ہزاروں شکلیں خیال کے دائرے میں آتے اور نکل جاتے رہے۔ قدرت کو کسی شکل سے اطمینان نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ اپنی شکل نورِ محمدیؐ میں دیکھ کر اس پر فدا ہو چکا تھا۔ تو یہی شکل بار بار اللہ تعالیٰ کے دماغ میں آتی رہی۔ اور یہی شکل و صورت آدمؑ کو دے کر مطمئن ہوا اور "اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ" کا فرمان جاری ہوا۔

اس منزل پر اہلِ تصوف اس نکتہ پر توجہ فرمائیں کہ آدمؑ کی شکل سب سے پہلے قدرت کے دماغ میں آئی اور پھر وجود میں۔ کیونکہ جب تک کسی چیز کی شکل و صورت ذہن میں ٹھیک ٹھیک جب تک نہیں آجاتی وجود میں لانا ممکن نہیں ہے۔ غرض جب ارادہِ الٰہی ترتیب و ترکیبِ جسدِ آدمؑ کیلئے ہوا تو اللہ تعالیٰ نے دونوں عالم کو اس میں

پوشیدہ کرنے کا ارادہ فرمایا۔ اور جب جسدِ آدمؑ کی تخلیق کا ارادہ ہوا تو کئی چیزیں ایک کے بعد دیگر نظروں میں آتی رہیں۔ ان میں ایسی پانچ چیزیں جو ہر ایک اپنے اندر پانچ پانچ کُن رکھتی ہیں۔ منتخب ہوئیں جو بہت ہی اہم تھیں، انہیں سے تخلیق جسدِ آدمؑ تیار ہوا۔

یہ پانچ چیزیں "پنج عناصر" کہلاتے ہیں۔ جو پانچ عناصر پچیس کُن کا رُتبہ رکھتی ہیں۔ آب و آتش باد و خاک۔ اور پانچویں روح ہے۔ اس منزل پہ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ قدرت کو جب کبھی کوئی چیز کو وجود میں لانا ہوتا ہے تو وہ صرف ارادہ کرتا ہے اور "کُن" کہہ دیتا ہے تو وہ شئے وجود میں آجاتی ہے۔ "اِنَّمَا اَمْرُہٗ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ" اُس کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرد یتا ہے کہ "ہو جا" تو وہ ہو جاتی ہے۔ لیکن آدمؑ کے متعلق ایسی بات نہیں ہوئی۔ آدمؑ کو کُن کہہ کر نہیں پیدا کیا گیا۔ آدمؑ کو وجود میں لانے کیلئے بڑی محنت و مشقت کرنی پڑی ہے اور ہر منزل پر توجہ کرنی پڑی ہے تب جاکر وجود قرار پایا ہے۔ "لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ" اس کی دلیل ہے پانچ عناصر میں خاکی لباس ہی اس لئے پہنا گیا کیونکہ اس خاک میں بہت سی صفتیں موجود ہیں۔ یہ فوراً بیقرار نہیں ہوتیں۔ اور دوسرے عناصر اس کے بہ نسبت بہت جلد بیقرار ہو جاتے ہیں۔ خاک میں یہ قوت بھی موجود ہے کہ وہ باقی کے عناصر کو اپنے اندر ٹھہرا سکتی ہے اور اس کے اندر عاجزی و انکساری بہت زیادہ ہے جو قدرت کو بہت پسند ہے۔ اللہ کی قدرت کا الف اور الحمد کی ہر تعریف کا الف آدمؑ کے وجود میں سب سے پہلا مقام پایا ہے۔ آدمؑ کی پیدائش کوئی مخفی نہ تھی۔ اس کا ذکر بار بار ہوتا رہا کہ آدمؑ کو پیدا کرنے والا ہوں، اور فرشتوں اور ملائکہ سے یہ بھی بتلا دیا گیا کہ اس کو اپنا خلیفہ و نائب بنایا جائے گا۔ اس منزل پر یہ بات روبرو آتی ہے کہ اللہ تعالےٰ آدمؑ کو وجود میں لانے سے پہلے ہی آپ کو اپنا خلیفہ و نائب کا عہدہ دے چکا تھا "اذ قال ربک للملئکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ" اللہ تعالیٰ نے فرمایا فرشتوں سے کہ میں خطۂ زمین پر اپنا با اختیار خلیفہ تخلیق کرنے والا ہوں"۔ اس فرمان

میں اللہ تعالیٰ کی اپنے خلیفہ پر جو شفقت و محبت پوشیدہ ہے اس کا اظہار ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو اپنے دستِ قدرت سے بنا کر اس مٹی کی مورت کو چالیس ہزار سال اپنی نگاہ میں رکھا۔ اس پر ہمیشہ (دید) جمائے رکھا، جیسے جیسے دید جمتی رہی ہزارہا راز و بھید جو ادھر تھے وہ اُدھر منتقل ہونے رہے اور جو قدرتیں اس میں موجود تھیں وہی اس میں بھی آنے لگیں۔ جیسے جیسے "اَلْاِنْسَانُ مِرْاٰۃُ الرَّبِّ" کی منزل مکمل ہوتی رہی دوئی کے پردے ہٹتے گئے اور جب منزل مکمل ہوئی تو جو ادھر تھا وہی ہو بہو اُدھر ہوا۔ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کی صدا بلند ہوئی۔۔ اس منزل کو اہلِ تصوّف اس مثال سے بھی حل کر لیتے ہیں "ایک چھوٹا سا پتنگا جسے "ڈکوری" کہتے ہیں۔ وہ اپنی نسل کو اس طرح بناتا ہے کہ وہ ایک کیڑے کو جو اپنی نسل سے نہیں رہتا کہیں سے لا کر اس کو ایک مقام میں رکھتا ہے اور ہمیشہ اس پر اپنی نظریں (یعنی دید) جمائے رکھتا ہے۔ کئی دن تک وہ اپنی نظریں اُس پر جمع رکھنے کے بعد اس دید کا اثر اس کیڑے پر ہونے لگتا ہے اور دھیرے دھیرے اسکی حالت اور فطرت میں تبدیلی آنے لگتی ہے اور اس میں اسکی اصلیت بھی بدلنے لگ جاتی ہے۔ اور وہ دید دینے والے کے رنگ میں رنگتا چلا جاتا ہے۔ اور ایک مقررہ وقت مکمل ہونے پر جو کچھ ڈکوری میں ہوتا ہے وہ سب کچھ اس میں پیدا ہونے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ ڈکوری کے خصلتیں اور فطرتیں اور اسکی اصلیت سب کچھ اس میں سما جاتی ہیں۔ اس کے پر بھی نکل آتے ہیں اور ایک دن وہ ہو بہو ڈکوری بن کر اُڑ جاتا ہے اور وہ بھی وہی کرتا ہے جو پہلے والی ڈکوری نے کیا تھا۔"

اللہ تعالیٰ نے آدمؑ پر جب دید کی منزل مکمل فرمائی تو اس میں اٹھارہ ہزار عالم آکر دم ہو چکے تھے۔ سات آسمان، سات زمین، عرش، کرسی، لوح، قلم (کل اٹھارہ ہیں) یہ سب جب اس میں آکر دم ہو گئے تو اس کی تعریف ہونے لگی، جو تعریف اس کی تھی وہی اس کی ہوئی۔ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" میں اٹھارہ حرف موجود ہیں۔ جو

اٹھارہ ہزار عالم کی نسبت سے ہیں۔ اٹھارہ ہزار عالم میں کوئی ایسی شئے باقی نہ رہی جو اس کی تعریف میں نہ لگی ہو، اور یہ تعریف ہمیشہ جاری ہے اور ہمیشہ جاری رہے گی جو بات اِدھر تھی وہی بات اُدھر بھی تھی۔ اسی لئے آدمؑ اللہ کے خلیفہ بنے۔

جب آدمؑ کا دولہا قلب خاکی کی دولہن کے ساتھ ہم خواب ہوا تو اس وقت آدمؑ کی شرین جو "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" کے حرف کی شکل میں ظاہر ہوئی اور یہی چیز بڑی مدت سے آدمؑ میں پوشیدہ رہی اور مقام "ناسوت" پر آکر قیام کیا۔ آدمؑ کا دَم جو عرش و کرسی کی سیر میں لگا ہوا تھا اُسی سے سب کچھ وجود میں آیا۔ دَم سے ہوّا اور ہوّا سے ماں حوّاؑ پیدا ہوئیں۔ "آدم سے دم"... "دَم سے ہوّا" "ہوّا سے حوّا" یعنی "آدم سے آدم" وجود میں آنے لگے انہیں "آدم اور آدم" سے "کُنْ فَیَکُوْنْ" کے مقامات ظاہر ہونے لگے اور یہی کُنْ فَیَکُوْنْ کی صدائیں دُھرائے جانے لگے۔

اٹھارہ ہزار عالم وجود میں آتے اور جاتے رہے۔ اور یہی قصہ جاری و ساری ہے آدم آتا رہا اور آدم جاتا رہا۔ تصوّف کی نظر میں کئی آدم آئے اور جا چکے ہیں اور یہ سلسلہ ایسے ہی چلتا رہے گا۔

بدنِ آدمؑ نوری و ناری ہے اور اس میں نفسِ حق کا جوہر چھپا ہوا ہے۔ آدمؑ کے لئے قدرت نے انہیں سے ایک بدن کو وجود میں لایا جو انہیں کی شکل و صورت کو اپنایا ہوا تھا اس کا نام "نِسَاءَ" یعنی عورت رکھا اور یہی حوّا ہیں۔ نساء یعنی حوّاؑ جب آدمؑ کی شکل پر ظاہر ہوئیں تو آدمؑ نے اسکی طرف ایسی شفقت کی کہ جیسے کوئی شئے اپنے نفس کی طرف شفقت کرتی ہے اور حوّاؑ نے بھی آدمؑ کی طرف ایسی ہی رغبت کی جیسے کوئی چیز اپنی اصل کی طرف رغبت کرتی ہے۔ یہی بات پہلے اللہ اور آدمؑ میں ہو چکی تھی۔ اور اب آدم و حوّا میں ہوئی۔ جس طرح اللہ تعالےٰ نے اپنی شکل آدم میں جلوہ فرمایا۔ اور اس پر شفقت فرمائی۔ اور اس کو محبوب رکھا اس کی بار بار تعریف کی بالکل اسی طرح آدمؑ نے بھی اپنی شکل کو حوّاؑ میں جلوہ فرمایا

اور اس پر شفقت فرمائی اور اس کو محبوب رکھا اور اس کی تعریف کی ۔
حوّاؑ یعنی نِساء کی اصل آدمؑ ہے تو آدمؑ کی اصل اللہ ہے ۔ اور یہ مناسبت اعلیٰ و اکمل ہے کیونکہ وہ زوج ہے ۔ تصوّف کے دائرے میں اس منزل کے گہرائی میں جا کر دیکھا جائے تو یہی پتہ چلتا ہے کہ "آدمؑ صورت میں وجودِ حق کے زوج ہوئے ۔ اور نساء (حوّاؑ) اپنے وجود سے آدمؑ کی زوج ہوئیں ۔ اِس مقام پر تین فردیت ظاہر ہوئیں
حق تعالیٰ ۔ آدمؑ ۔ حوّاؑ (اور پردے اُٹھانے سے فقیر بالکل عاجز ہے)
لیجئے تصوّف کے دائرے سے ایک دو منازل کی طرف اشارہ دیتے ہوئے اس عنوان کو ختم کرتا ہوں، تاکہ دوسرے عنوانات پر بھی کچھ روشنی ڈالی جائے ...
اہل تصوّف غور فرمائیں۔

- آدمؑ کی پیدائش زمین پر ہوئی ہے تو حوّاؑ کی پیدائش جنّت میں ہوئی ہے
- آدمؑ کا "ا" کسی یا حوا کے وجود میں اپنا مقام برابر رکھا ہے۔ آدمؑ میں "ا" پہلے ۔ نساء میں "ن" پہلے بھید سارا اسی "ا ۔ ن" کے وجودوں کے ایک دوسرے سے ملاپ میں موجود ہے
- آدمؑ کا وجود اللہ سے ہے تو حوّاؑ کا وجود آدمؑ سے ہے ۔
- آدمؑ کو سجدہ نہ کرنے پر ایک اعلیٰ مقام کا فرشتہ (ابلیس لعین) بھی مردود و لعنتی بنگیا
- آدمؑ مرضی مولا اور اپنی خوشی سے جنّت سے زمین پر اپنی زوج کے ساتھ آئے کیوں کہ زمین آپ کی حُبّ الوطنی تھی ۔
- آدمؑ و حوّاؑ جنّت سے زمین کی طرف ہجرت فرمائی ۔ اسلام میں ہجرت کا مقام بلند ہے ۔
- آدمؑ کا مقام وہ ہے جو تمام مخلوق کا اصل بنا ہوا ہے ۔
- آدمؑ کا مرتبہ اتنا بلند ہے کہ آپ کو فرشتوں اور ملائکہ اور سبھوں سے سجدہ کروایا گیا ۔
- آدمؑ عشق کی گہرائی میں پہنچے تو جنّت کی خفیفت بھی کچھ بھی نہ رہی ۔

اہلِ تصوّف اِن پر بھی غور فرمائیں:۔

- آدم = آ ۔ دَم ہے (دَم دبنے اور اُٹھنے میں یا آنے جانے میں ہے ۔)
- شیطان = شئے ۔ طان ہے ۔ (وہ شئے جو سکڑی ہوئی ہوتی ہے

بعد میں تن کر کھڑی ہو جاتی ہے اور سر نہیں جھکاتی یا وہ شئے جو اکڑ کر یا لمبی ہو کر کھڑ جاتی ہے شیطان کہلاتی ہے)

● ابلیس۔ آب۔ لیس ہے (تصوّف میں جگیٹ پانی کو کہتے ہیں) ابلیس جنات سے ہے، یعنی آب لیس میں جو وجود رہتے ہیں وہ بالکل جنات کی ہی شکل میں رہتے ہیں جو سانپ جیسے ہوا کرتے ہیں۔ جنات اپنی شکل بدلتے رہتے ہیں اور انسان کی شکل بھی اختیار کر لیتے ہیں۔

آب۔ لیس میں جو لاکھوں کی تعداد میں وجود رہتے ہیں ان میں سے جو کوئی کامیاب ہو جاتے ہیں اور اپنی منزل پر پہنچ جاتے ہیں وہ اِنس کی شکل لے کر وجود میں آتے ہیں قرآنِ پاک میں اَلجن و اَلانس کا ذکر آیا ہوا ہے۔

● ذاھد کیلئے اللہ بے شکل۔ اور عارف کیلئے باشکل ہے۔

فرمان موجود ہے کہ:۔ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُورَتِہٖ "اللہ نے آدمؑ کو اپنی شکل پر پیدا کیا۔ اور آدمؑ کی شکل موجود ہے۔

ان اشاروں کو تصوّف کی گہرائی میں جا کر پائیں اور رمز کیا اپنے وجود کو پڑھ کر سمجھیں۔ کیونکہ "اُمّ الکتاب تلاوۃ الوجود" ہے ان رموز کی اور بھی گہرائی میں جانے کیلئے اپنے اپنے پیر و مرشد سے راہ پائیں۔ ایک اچھے راہبر کے سوا کوئی بھی حقیقت کی تہہ تک نہیں پہنچا سکتا۔ اور منازل کی گہرائی سے سیر نہیں کروا سکتا کیوں کہ بھید تو بھیدی کے پاس ہی ہوا کرتا ہے۔ بھید کو پانا ہے تو مرشد کا ہاتھ پکڑ لیں۔ ایک حقیقی مرشد کے سوا کوئی بھی منزلِ مقصود تک پہنچا نہیں سکتا۔

(اللہ پاک سب کو سیدھی راہ پر لگائیں۔ آمین ثمہ آمین)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فقیر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ
الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا اَبَدًا دَائِمًا کَثِیْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ

← (لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ
شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ ۔ (آل عمران)

ہرگز تم مکمل کامیابی تک نہیں پہنچ سکتے، یہاں تک کہ اپنے محبوب ترین چیزوں کو (میری راہ میں) قربان نہ کرو گے اور جو کچھ بھی تم قربان کرو گے اللہ کو بہت خوب اس کا علم ہے

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ (الانفال)

اور خوب جان رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد حقیقت میں سامانِ آزمائش ہیں) →

خُلِقَتُ الْعُمَّادُ مِنْ صُدْرِیْ وَخُلِقَتِ السَّادَاتُ مِنْ صُلْبِیْ وَخُلِقَتِ الْفُقَرَاءُ
مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ تَعَالٰی (حدیث) علماء کی پیدائش میرے سینہ سے ہے اور سادات کی پیدائش میرے پیٹھ سے ہے اور فقراء کی پیدائش اللہ تعالیٰ کے نور سے ہے ؛

تصوف ہی ایک ایسی چیز ہے جس میں ڈوب کر اور اس کی گہرائی میں جا کر ہی قدرت اور ظہورِ کائنات کا حقیقی علم حاصل کیا جا سکتا ہے۔ تصوف کے بغیر نہ ہی سیدھی راہ ملتی ہے اور نہ ہی منزلِ مقصود پر کوئی پہنچ سکتا ہے۔ تصوف تفکر سے حاصل ہوتا ہے۔ پہلے قریب کے چیزوں کے متعلق فکر کریں اور اس کے بعد جو دور ہیں اُن کے متعلق سوچیں۔ یہ منزل مکمل ہونے کے بعد پہلے جو چیزیں نظر آتی ہیں انکے متعلق فکر کریں، اور اسکے بعد جو چیزیں غیب میں موجود ہیں انکے متعلق تفکر کریں اور پھر عبادت میں لگ جائیں یہی عمل ہے جو منزل کے قریب تک لے جاتا ہے صوفیائے کرام اور اہلِ عرفان اسی عمل سے قدرت کے قریب ہوئے ہیں۔ ان میں اکثر ایسے ہیں جو عالم میں تلاش کرتے ہیں اور اکثر ایسے ہیں جو وجود میں تلاش کرتے ہیں۔

بہر حال یہ تو حقیقت ہے کہ جب تک اس راہ پر چلنے والا اپنا سب کچھ چھوڑ کر اور اپنی محبوب سے محبوب ترین چیزوں کو قربان کر کے اس راہ میں نہیں آتا وہ ادھورا ہی رہے گا، اور منزل سے بہت دور۔ "جب تک میں نہیں اور میرا کوئی نہیں" کی بات پیدا نہ ہو جاتی کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ اگر کوئی تصوف کے ذریعے اس راہ کو پالیتا ہے تو وہ کبھی بھی "میں اور میرا" نہیں کہتا اس حقیقی منزل پر جو کوئی بھی لگے ہیں اور اس کی تہہ تک پہنچے ہیں ایسے اہل عرفان اور صوفیائے کرام میں دو نظریہ رکھنے والے پائے جاتے ہیں۔ ظہورِ کائنات ہی میں لیجئے اہل عرفان اور صوفیائے کرام کے دو گروہ پائے گئے ہیں۔ ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ "اللہ پاک نے کل کائنات کو اپنی قدرت و حکمت سے بنایا" دوسرا گروہ اس امر کا قائل ہے کہ بنایا ہی نہیں بلکہ خود بن آیا ہے" اصطلاح تصوف میں پہلا گروہ "شہودی" کہلاتا ہے اور دوسرا گروہ "وجودی" کے لقب سے مشہور ہے اور بعض حقیقتِ راز کے ناآشنا ہر دو گروہ آپس میں تکرار کرتے اور جھگڑتے ہوئے بھی دیکھے گئے ہیں۔ اللہ رب العلمین توفیق دے اس کے چاہنے والوں کو اُن اعمال کی جن کو وہ پسند فرماتا ہے اور دوست رکھتا ہے اور چلائے اس راہ پر جو اس کی راہ ہے۔ اور جس راہ پر اُس کے محبوب بندے چل کر اس کے مقرب بن گئے ہیں اور وہ اُن کو محبت سے "اِنّ اولیاء" کہا اور اس کی راہ پر چلنے والوں کو بچائے رکھے اُن چیزوں سے جو گمراہی اور سرکشی کی باعث ہوں۔ نجات آخروی کا مدار ایسے ہی سچے اعتقاد پر ہے جو کہ امور آخرت کے متعلق اپنی سمجھ کی نارسائی اور عقل کی مخالفت و انکار کے باوجود بھی "اللہ اور رسولؐ" کے بتلائے ہوئے راہ پر ثابت قدم رہے۔ جیسے کہ مرنے کے بعد دوبارہ مُردوں کا زندہ ہونا یا پیدا کیا جانا برحق ہے۔ اور دنیاوی زندگی سے بہتر آخرت کی زندگی ہے جو کچھ قرآن پاک اور احادیث صحیحہ میں آچکا ہے۔ اُن پر پختہ یقین ہو وغیرہ۔ ہاں چند چیزیں ایسی بھی ہیں جو ہماری سمجھ میں بآسانی نہیں سما سکتی اور فی الحقیقت ہماری عقل امورِ غیب اور اُن امور کو جو عادت مستمرہ کے خلاف واقع ہوتے ہوں

اپنا بھی نہیں سکتی ہوں، تب بھی ہمارا یقین ہونا چاہیئے کہ احکاماتِ خداوندی اور فرمانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ بالکل صحیح ہیں اور اُن کا ہونا یقینی ہے

اللہ تعالیٰ بعض اوقات انسان کے دل میں ایک بات ایسی بھی ڈال دیتا ہے جس کو وہ کبھی بھی نہیں جانتا تھا۔ دینوی معاملات میں کتنی ہی ایسی تدبیریں ہیں جو ذہنوں میں القاء کی جاتی ہیں اور انسان خود حیران رہ جاتا ہے کہ یہ تدبیر یا فلاں بات تو وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا، یہ تو اسے سمجھائی گئیں ہیں۔ کتنے ہی ایسے ہی علوم ہیں جن کی ابتداء القاء اور الہام سے ہوتی ہیں، اس حقیقت کو یوں بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ انسانی علم کی اولین بنیاد انہیں القاء اور الہام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو خلق فرمایا ہے تو اس نے اپنے فضل و کرم سے ان کائنات کی اشیاء کا علم بھی تو انسان کو عطا فرمایا اور فرما رہا ہے لیکن انسان کی کوتاہ نظری کو دیکھئے کہ اُس کی کوتاہی اور نقصانِ عقل پر یہی دلیل کافی ہے کہ آئے دن سائنس کی نت نئی عجیب و غریب ایجادوں کو دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے، جیسے ٹیلی ویژن، کمپیوٹرس، فاکس، مصنوعی سیارے وغیرہ وغیرہ۔

یہ نت نئے ایجادیں تو اپنی جگہ ٹھیک ہیں لیکن انسان ان چیزوں اور مقامات پر کامیاب کیسے ہوگا۔ مثلاً سائنس نے یہ بھی دریافت فرمایا ہے کہ آسمان میں صرف ایک سورج اور چاند نہیں ہیں بلکہ کئی سورج اور کئی چاند موجود ہیں۔ تصوف میں بھی یہ باتیں آچکی ہیں کہ آسمانوں میں سَتّر سورج اور سَتّر چاند موجود ہیں اور ان کی دوری کا اندازہ لگانا ناممکن ہے آسمان میں ایسے بھی ستارے موجود ہیں جن کی روشنی تو پہلے دن سے ہی اُسی رفتار سے زمین کی طرف دوڑ رہی ہے جو کہ روشنی کی رفتار ہے لیکن ابھی تک بھی وہ روشنی زمین تک نہیں پہنچ پائی ہے جبکہ اس کی رفتار فی منٹ پونے دو لاکھ میل سے بھی زائد ہے اور ایسے کئی ستارے لاکھوں سال سے برابر چمک رہے ہیں ان کی دوری کا اندازہ خود لگالیں۔ قرآن پاک کی روشنی سے یہ پتہ

ملتا ہے کہ اللہ ربّ العٰلمین نے آسمانِ زمین کو چمکتے ستاروں سے سجایا ہے اور اُس کو رونق بخشی ہے۔ مطلب یہی ہوتا ہے کہ جتنے بھی ستارے ھیں وہ سب کے سب پہلے آسمان پر ہیں۔ پہلے آسمان پر ہی بہت سے ستارے اتنے دور ہیں کہ وہ تو روزِ اوّل سے برابر روشنی دے رہے ہیں لیکن ابھی تک ان کی روشنی زمین تک نہیں پہنچی ہے۔ تو آسمانِ دوم آسمانِ سوم اسی طرح ساتوں آسمانوں کی دوری کا کیا اندازہ لگا سکیں گے۔ اور سائنس ان سب کی حقیقت کو کب اور کیسے پا سکے گی۔

سائنس نے انسان کے دماغ پر ریسرچ کر کے کمپیوٹر ضرور نکالا ہے اور اب تو گریٹ سوپر کمپیوٹر بھی وجود میں آچکا ہے۔ اس گریٹ سوپر کمپیوٹر کی ایک تعریف یہ بھی ہے کہ یہ ایک سکینڈ میں (ایک منٹ میں نہیں بلکہ ایک سکینڈ میں) پانچ کروڑ کیلکولیشن کر دیتا ہے۔ یعنی گریٹ سوپر کمپیوٹر جو ایک سکینڈ میں کیلکولیشن کرتا ہے اُس کو ایک آدمی اگر دن رات کیلکولیشن کرنے بیٹھیں تو اس کو تقریباً پانچ سو سال کی مدت کی ضرورت ہوتی ہے۔

مان لیتے ہیں کہ انسان اپنی عقل کے زور پر سائنس کے ذریعے بڑے بڑے کام کیا ہے اور بڑے حیرت انگیز چیزیں وجود میں لایا ہے۔ اس کی اُڑان چاند تک بھی ہو گئی ہے۔ لیکن اُن رموز و اسرار کو کیسے پائے گا کہ زمین پر رہ کر چاند کی طرف اُنگلیِ مبارک کے ایک اشارے پر چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ یا اس اسرار کو کیسے پائے گا کہ ایک لمحے میں ساتوں آسمانوں سے پرے لامکان کا سفر بھی مکمل ہو گیا اور واپسی بھی ہو گئی ان حقیقتوں کو دُنیا اور سائنس کب سمجھ پائے گی۔ اس کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ سائنس کتنی بھی ترقی کیوں نہ کر لیں۔ قدرت کے روبرو اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ سائنس کی ایجادوں کو دیکھ کر کوئی قدرت کو بھولے یہ کیا بات ہوئی!!

قرآن، ایمانی، اخلاقی، تہذیبی اور روحانی ہدایت کا رہبر ہے۔ اس میں ضرور عقل سے اور تفکر سے کام لینے اور ظاہری اور باطنی قوتوں کو استعمال کرنے کا درس دیا گیا ہے، اور خدا کی طرف سے مادی کائنات میں انسان کو محدود اختیارات کے ساتھ خلافت و سرداری بھی عطا کی گئی ہے۔ لفظ "اقطار" کا واحد "قطر" ہے جس کا صحیح ترجمہ جہاں، حلقے، گوشے، ضرف، دائرے یا حاشیے کے ہوتے ہیں۔ وہیں سلطنت اور اقلیم کے بھی ہیں۔ "اقطار السمٰوٰت" کی گہرائی میں جائیں تو یہ تصور اتنا وسیع ہے کہ مکمل کائنات پر حاوی ہے۔ ہاں انسان سائنس کے ذریعے چاند تک ضرور پہنچا ہے چاند تو ہمارا قریبی پڑوسی ہے اور زمین اور چاند کے درمیانی کشش کے علاوہ اثر و تاثیر کے کئی تعلقات قائم ہیں۔ لیکن سوال تو اس کے آگے کے حلقوں اور کائناتی اقلیموں کو عبور کرنے کا ہے، جس کے لئے کافی اسباب و لوازم ہی کی فراہمی اور روشنی کی رفتار سے بھی زیادہ تیز رفتار والے خلائی جہاز چلائے جائیں تب بھی عمر انسانی میں یہ طے نہیں کیا جا سکتا اگر ایک، ایک دن کے بچہ کو بھی خلائی جہاز میں رکھ کر چھوڑیں تو وہ صرف ایک حد تک پہنچتے پہنچتے ہی اس کی سو سال کی عمر ہو جائے گی اور ظاہر ہے کہ وہ اس سے زیادہ تو زندہ نہیں رہ سکتا۔ تو لاکھوں سال سے لاکھوں میل کی رفتار سے روشنی جن ستاروں سے آ رہی ہے اور اب تک زمین پر نہیں پہنچی ہے۔ اس راہ کو کیسے طے کریگا۔ اس مقام پر ہمارے سائنس کے نت نئے چیزوں کو دیکھ کر اور یہی سب کچھ ہے کہہ کر سمجھنے والے سوچ سکتے ہیں۔ ہمیں سوچنا چاہیئے کہ آخر اللہ پاک ان کائنات اور ان کی ہر چیز کو کس کے لئے پیدا فرمایا ہے اور کیا انسان کی ان چیزوں پر اختیار نہیں؟ جی ہاں انسان ضرور اختیار رکھتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا خلیفہ و نائب ہے اور اس کی قوت بھی بہت کچھ ہے لیکن ان سب چیزوں و منازل کو طے کرنے کیلئے براق اور رف رف کی ضرورت ہے یا پھر تصوف کی راہ اور صرف تصوف کا دائرہ ہی ہے جس سے یہ منازل طے ہو سکتے ہیں اور ان قدرتی انمول چیزوں کا لطف حاصل کیا جا سکتا ہے اور انکے اسرار سے واقف ہو سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ صاف صاف فرما رہا ہے کہ (ترجمہ) اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے سمندر کو مسخر کیا تاکہ اس میں اس کے حکم سے کشتیاں چلیں اور تاکہ تم اس کی (دی ہوئی) روزی تلاش کرو۔ اور تم اُسکے شکر گذار بنو۔ اور اس نے تمہارے لئے مسخر کر دیا جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے سب کو اپنی طرف سے۔ بے شک اس میں ان لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں جو غور کرتے ہیں (الجاثیہ)

اس فرمان میں اللہ ربِ کریم نے کتنے ہی راز کی باتیں صاف صاف اچھے اچھے انداز میں بتلا دے ہیں۔ اللہ پاک کے ان اشاروں کو اور ان رازوں کو صرف وہی لوگ پا سکتے ہیں، جو تفکر کرتے ہیں اور غور کرتے ہیں۔ صرف تفکر کرنے والا گروہ ہی ان منازل کو طے کر سکتا ہے۔ وہی ہیں جو پختہ اور مکمل ایمان رکھتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جنہیں صوفیائے کرام اور اہلِ عرفان کہتے ہیں انہیں کو ترقی والا گروہ کہتے ہیں۔ کیونکہ اس گروہ کے لوگ ہی ہمیشہ اس راہ میں لگے رہتے ہیں۔ اور اپنی زندگیوں کو اس راہ کے لئے وقف کر دیتے ہیں ایسے اہلِ تفکر کی پہلی نظر ہی ہر چیز کے ظاہر اور باطن سے واقف ہو جاتی ہے، اور انہیں کو اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل رہتی ہے وہ اس رمز کو جانتے ہیں کہ "مَنْ لَهُ الْمَوْلٰى فَلَهُ الْكُلُّ" جس کا مولیٰ ہے اس کا سب کچھ ہے"۔ یہ راز صرف انہیں کے قلوب میں سمایا ہوا ہوتا ہے اور وہ لوگ ہمیشہ اس جدوجہد میں لگے ہوئے رہتے ہیں کہ قربت مولا ہمیشہ قائم رہے۔ تصوّف کی بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ جن کو عام لوگ آسانی کے ساتھ سمجھ نہیں سکتے۔ عام طور سے ہر شخص میں یہ قوت نہیں رہتی کہ وہ کسی جاننے والے کے بتلائے بغیر ہی رمز سے واقف ہو جائیں۔ اللہ پاک نے جن لوگوں کا سینہ کھول دیا ہے وہی ہیں جو کلام الٰہی کو سمجھ سکتے ہیں اور اوروں کو بھی سمجھا سکتے ہیں۔

فرمانِ خداوندی ہے کہ :۔ (ترجمہ) اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے۔ اور تمہیں مختلف قومیں اور خاندان بنا دیا ہے کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بیشک تم میں سے جو پرہیزگار ہے وہی اللہ کے نزدیک معزز تر ہے (الحجرات)

اس فرمان سے معلوم ہوا کہ اللہ پاک کے نزدیک وہی لوگ معزز رہیں گے جو تقویٰ اور پرہیزگار رہیں گے۔ اور اللہ پاک کے کلام کو سمجھ کر اس پر عمل کرتے رہیں گے آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قرآن پاک کو جتنی گہرائی سے مطالعہ کروگے اتنے ہی اس کے رموز سے واقف ہوں گے۔ "انزل القرآن علیٰ سبعۃ احرفٍ لکل ایۃ منھا ظھر و بطن و لکل حدٍ مطلع۔ یعنی قرآن پاک کے ہر حرف و آیت میں سات منزل پوشیدہ ہیں (اس میں) ہر آیت کیلئے ظاہر و باطن ہے اور ہر مقام کیلئے ترقی"۔

ان سب اشاروں پر توجہ دیں جو کہ بیان کئے گئے ہیں تو یہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ پرہیزگار لوگ، یہ عالم، یہ ترقی والے گروہ، یہ صوفیائے کرام، یہ اہلِ تصوف کون ہیں۔ انہیں کیسے معلوم کر سکتے ہیں اور کیسے پہچان سکتے ہیں۔ اور کسی کو ان جیسا بننا ہو تو کیا کرنا چاہیے انہیں سوالات کو لیکر انسان کھوج کرنے لگا اور تلاش شروع کی، اور کلام اللہ کے ہر حرف کی گہرائی میں ڈوبنے لگا جیسے جیسے رمز کو پاتا گیا ویسے ویسے ہی اس کی حالت میں بھی تبدیلی آنے لگی۔ اور انسان جیسے جیسے باطنی رموز سے واقف ہوتا گیا۔ ویسے ویسے اُسکا ظاہر بھی بدلتا گیا اور حقیقت سے آشنا ہونے کے لئے جو بھید سے واقف ہیں اُنکی صحبت میں رہنے لگا اور بہت کچھ جاننے اور پانے کے باوجود محتاج ہی کے دائرے میں رہنا پسند فرمایا اور رہبر جس حالت میں ڈھالنے لگے ڈھلنے لگا۔ اللہ پاک کے رازوں اور بھیدوں سے مالامال رہنے کے باوجود اپنے آپ کو خلقت سے کنارہ کئے ہوئے ہمیشہ اسکی دُھن میں مگن، اور "مست الست" کی چادر اوڑھے معرفت میں مشغول، حق کی ذات کے سوا کسی سے متوجہ نہیں، ایسے ہی عالم میں ڈوبے رہنے والا "فقیر" ہے جو فقیر ہر چاہت کو قربان کر کے صرف بھیدی کے بھید اور رازوں کا محتاج رہتا ہے اور جو اُسکے اور اسکے درمیان پردے پڑے ہیں انہیں چاک کر کے واحدانیت کے دائرے میں آنے لگتا ہے وہی فقیر باللہ کہلاتا ہے۔ ہر شئے ایسے فقیر کی محتاج رہتی ہے اور ایسا فقیر صرف قدرت کا محتاج رہتا ہے انسان کو ان منازل کو پانا اور ان کو طے کرنا ہوتا ہے تو اسکو سب سے پہلے

اپنے اندر چھپی ہوئی باطنی قدرت کو روشن کر کے اور پھر اس کو ظاہر کرنا پڑتا ہے اور یہ سب چیزیں صرف اسی وقت ممکن ہو سکتی ہیں جبکہ فقیری دائرے میں آئے اور فقیری میں رہتے ہوئے اور اپنے نفسوں پر حاوی ہوتے ہوئے اس کے انتہائی مقام کی طرف پرواز کریں۔ فقیری میں رہ کر اپنے رہبر کے سایہ میں رہتے ہوئے حقیقت سے آشنا ہونا ہے اور اس راہ کے بغیر ہی کوئی یہ سمجھے کہ وہ منزل کو پار کر لیگا تو وہ نادان ہے۔

انسان اگرچہ نوری ہے لیکن خاکی کے نام سے اس لئے مشہور ہے کیونکہ خاکی لباس نوری کو چھپا رکھا ہے۔ اس خاکی کو بھی نوری لباس میں بدل سکتا ہے۔ یہ صرف اسی وقت ممکن ہے جبکہ یہ اپنی عبادت و ریاضت کی قوت سے وہ قوت پیدا کریں کہ اسکی روحانی قوتوں میں قوتِ ملکی پیدا ہو اور اپنے اصل کی طرف رجوع کریں اور خاک کی کثافتوں کو دور کرتے ہوئے اسکی تاریکی کو نور کی روشنی سے روشن کر دیں، یہاں تک کہ حیوانی صفات صفاتِ انسانی سے اور قوتِ انسانی ملکی میں بدل کر اس حباب کی طرح جو کہ وحدت کے دریا سے کثرت کے اصلی دریا سے معنوی اتصال ہوتا ہو، کیونکہ دونوں عالم اسی میں موجود ہیں جب انسان اس راز سے آشنا ہو جاتا ہے اور اس رمز کو پاتا ہے تو وہ فَنَا فِی اللّٰہِ اور بَقَا بِاللّٰہ ہے اور وہ قرار حیرت و تحیر۔ رفیق اور توفیق وغیرہ ہر ایک کو اپنے ہی وجود میں دیکھتا ہے اور ایسے طالب پر سلوک کی راہ کھلی ہوئی ہے مگر اس راستے میں سچا طالب وہی ہے جو صاحبِ استعداد ہو کیونکہ معرفتِ حق کیلئے طالب کو صاحبِ استعداد کا ہونا بہت ضروری ہے۔ اگر گہرائی میں جائیں اور دیکھیں تو حق اسی میں ہے نا کہ اس سے باہر اور اگر کسی میں استعداد نہیں ہے تو اس کو راہبر کی تعلیم سے بھی کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ حق اور غیر حق کو حقیقت کے متعلق خود ہی صاحبِ انصاف و منصف ہوتا ہے اور ہر وہ چیز جس کو پسند فرماتا ہے حاصل کر لیتا ہے۔

اے فقیری کے چاہنے اور اپنانے والے اپنے خیالات کی باگ ڈور حالات کے ہاتھوں کیوں دے رکھا ہے، یہ ساری فانی چیزیں ہیں، ان

سے دل اٹھالے اور اعتماد و بھروسہ صرف ربّ العلمین پر رکھ۔ ہر شئے کو چھوڑ کر حق سے مل جا" وہ ہمیشہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ ایسا نہ ہو کہ فانی چیزوں میں مل کر خود کو بھی ایک فانی چیز بنا دے اور اس حقیقت سے بھی واقف ہو جا کہ جب تک ایک ذرّہ آفتاب کی روشنی سے ملا رہتا ہے وہ خود بھی آفتاب ہے اور جس طرح آفتاب سے روشنی نکلتی ہے اُسی طرح وہ ذرّہ بھی آفتاب کی روشنی کو ظاہر کرتا رہتا ہے۔ آفتاب کو دیکھنے کی ضرورت نہیں آفتاب کو دیکھنے والے اس ذرّے کو ہی دیکھ لیں تو آفتاب کو دیکھنے کے برابر ہی ہوتا ہے۔ جو نور آفتاب سے نمایاں ہوتا رہتا ہے وہی نور ذرّے سے بھی روشن ہوتا رہتا ہے ہاں اگر وہ ذرّہ آفتاب کے مقابل سے ہٹ جائے اور جو روشنی کی تار آفتاب سے لے کر اپنے وجود میں لگا رکھا تھا وہ ٹوٹ جائے تو پھر سے وہ ذرّہ ذرّہ ہی رہ جائے گا۔ اس سے کوئی روشنی نمایاں نہیں ہوگی اور اسکی کوئی حقیقت بھی نہیں رہ جاتی جس طرح فانی چیزیں فنا میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں اِسی طرح اس کا بھی یہ وجود ہو کر رہ جاتا ہے اس منزل پر اس بات کو بھی یاد رکھیں کہ فنا کے معنی "حالت کے بدلنے کے ہیں" اور "بقاء کے معنی حالت کے قائم رکھنے کے ہیں"

ہر شئے ہر آن فنا کی طرف رواں دواں ہے اور آخر کار فنا ہی کی منزل میں جا کر فنا ہو جاتی ہے لیکن ذات بقاء ہے اس کو کوئی فنا نہیں بلکہ ذات کی شان ہی رہتی ہے اور ہر آن اپنی شان میں پہلے سے زیادہ روشن رہتی ہے، بقاء ایک ایسی چیز ہے کہ نہ ہی اسکی کوئی جہت ہے اور نہ ہی اسکی کوئی منزل۔ کیونکہ اوّل سے آخر تک اور ظاہر سے باطن تک ذات ہی ذات ہے اور بقاء ہی بقا ہے اور اس کے مقام میں صبح ہے نہ کہ شام۔ یہ رموز بہت اعلیٰ ہیں اور ان کو پانا ہے اور خود کو اس رنگ میں رنگنا ہے تو فقیری کا دائرہ اپنانا ہے اور کامل مرشد کا ہاتھ پکڑ کر اُسی کے رنگ میں خود کو بھی رنگ لینا ہے۔ فرمایا سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے "الفقراء کنز من کنوز اللہ تعالیٰ" یعنی فقراء ایک خزانہ ہیں۔ خزانوں میں سے اللہ تعالیٰ کے۔ "خود کو ایک خزانہ بنانا ہے"۔

"فقیری"

آیئے! کچھ فقیری کے پہلو کی سیر بھی کرتے چلیں اور یہ دیکھتے چلیں کہ یہ فقیر اور فقیری کی ریت کیا ہیں اور اس میں داخل ہونے کے طور طریقے کیا ہیں، جو عام طور پر چار چودہ کے ہر سلسلے میں اپنائے جاتے ہیں تاکہ ان کے طور طریقے اور رموز کو بھی جانتے ہوئے لذت پائیں.....

بیعت کرنا کچھ اور بات ہے تو فقیری میں آنا کچھ اور بات ہوتی ہے. بیعت کرنا ایسا ہے کہ راہِ عرفان میں پہلا قدم رکھنا اور باطنی رموز سے واقف ہونے کی کوشش کرنا اور جو قدم اس راہ میں رکھا گیا ہے اس پر ثابت قدم رہنا اور عہد و اقرار کرنا ہے اور فقیری بھی ایسی ہی بیعت سے شروع ہوتی ہے لیکن یہ بیعت کے دائرے سے آگے کی منازل ہیں. فقیری میں آنے کے بعد ایک مرشد کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اقرار و عہد کر کے کوئی دوسرا مرشد اپنایا نہیں جاتا، ہاں بیعت کی منزل میں ہی ہے تو "مَنْ عَرَفَ" کے رموز کو پانے کیلئے کئی پیر سے بیعت کر سکتا ہے۔ ہر مسلمان پر بیعت کرنا فرض ہے ہر مسلمان کو کسی نہ کسی کامل پیر کے دست پر بیعت کرنا چاہیئے. بغیر بیعت کے رہنے والا دائرے سے باہر رہتا ہے اور کبھی بھی اس کو منزل نہیں ملتی اور نہ ہی وہ کامیاب رہتا ہے۔

فقیری میں آنے والے کو سب سے پہلے بیعت کرنی ہوتی ہے اور اس منزل میں جد و جہد بھی کرنا ہوتا ہے تاکہ عبادت کے ذریعے راہ آسان ہو۔ بیعت کے بعد طریق دیتے ہیں. پھر اس منزل میں تھوڑی مدت عبادت و ریاضت میں جد و جہد کروا کر چند منازل کے طے ہونے اور راہ میں ثابت قدم رہنے کے بعد خرقہ خلافت کی نعمت سے سرفراز کرتے ہیں۔ اس منزل میں جب خرقہ خلافت لینے والے اپنے پیر و مرشد کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیتے ہیں تو یہ قائم راہ ہو جاتی ہے اور زندگی اور موت سے بھی بڑھ کر اقرار و عہد کا پابند رہنا ہوتا ہے. اگر کسی نے عہد و اقرار کر کے نعمت کو حاصل کرنے کے بعد بھی اس عہد و اقرار کو توڑتا ہے تو اللہ پاک کے نزدیک ایسا انسان بہت برا کہلایا جائے گا. اس عہد کو توڑنے کا وبال اسی کے سر ہوگا۔

یہ فرمان، فرمانِ خداوندی ہے :۔

اَنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ فَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِہٖ وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰھَدَ عَلَیْہُ اللّٰہَ فَسَیُؤْتِیْہِ اَجْرًا عَظِیْمًا۔ (الفتح)

"جو لوگ آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دیتے ہیں تحقیق وہ اللہ کے ہاتھ میں ہاتھ دیتے ہیں اور اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ کے اوپر ہے اور جو عہد و اقرار کر کے توڑ دیتا ہے تو اس کا وبال اسی کے ساتھ ہے اور جو اقرار کو نبھاتا ہے تو اس کے لئے بڑی کامیابی ہے اور عظمت والا اجر موجود ہے۔"

بیعت کرنے والے کو مُرید کہتے ہیں اور جو طریق اور خلافت لیتے ہیں انہیں فقیر کہتے ہیں ان فقراء میں مشائخین فقراء بھی ہوتے ہیں اور طریقی فقراء بھی ہوتے ہیں اور طریقی فقراء میں تین گھر کا مقام ہے پہلا مرید ہونا دوسرا طریق لینا اور تیسرا گھر خلافت کا ہے۔ فقیری میں لانے کیلئے چار چودہ میں اپنے اپنے طور و طریقے ہوتے ہیں۔ جو اُن کے طریقی سلسلے سے نسبت رکھتے ہیں جو سب کے سب اپنے اپنے طور طریقے کے ساتھ جائز ہیں۔ سب کا منشاء ایک اور سب کی نیت ایک اور کوشش صرف یہی ہوتی ہے کہ وہ اللہ رب العلمین کے مقرب اور چاہنے والوں میں شامل ہو جائیں اور قدرت کا اصل راز کیا ہے اس سے آشنا ہوتے ہوئے وہ بھی وہی بن جائیں۔ اکثر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ مشائخین یہ کہتے ہیں کہ وہ افضل ہیں اور طریقی فقراء یہ کہتے ہیں کہ وہ افضل ہیں۔ اس بات کا فیصلہ اللہ پاک خود فرمایا ہے کہ "وَاللّٰہُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ" اللہ تعالیٰ غنی ہیں اور تم سب فقیر ہو" (محمد۔ ۳۸) اس فرمانِ خداوندی سے ظاہر ہو گیا کہ سب فقیر ہی ہیں اور جب تک خود کو فقیر نہیں کہیں گے کامیابی مشکل ہے۔ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فقیر پر ہی ناز فرمایا ہے اور فقیری کو اپنایا اور فقراء کے وسیلہ سے دعا کئے ہیں۔

چار چودہ کے فقیری سلسلوں کے طور طریقے کو دیکھیں تو ہر ایک اپنے اپنے سلسلے کی فقیری دیتے ہیں اور مولیٰ کی راہ کو عمل یا جسد سے حاصل کرنے کی

مشق کرواتے ہیں۔ فقیر کو ایک سلسلے سے فقیری لینے کے بعد دوسرے سلسلے میں جانا جس طرح ناجائز ہے اسی طرح ایک سلسلے کے مُرشد کو اپنے سلسلے کے علاوہ دوسرے سلسلے کی فقیری دینا بھی ٹھیک نہیں ہے۔ فقیری میں بہت سی نازک منازل اور باریکیاں ہوتے ہیں۔ ہر پیرو مُرشد کو ان پر نظر رکھنا ہوتا ہے، اور اس راہ میں ہر چلنے والوں کو بہت کچھ جاننا پڑتا ہے۔ جب ہی تو فقیری کو بال سے باریک کہتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر ایک صاحب چشتیہ سلسلے کے مُرشد ہیں تو وہ صرف چشتیہ سلسلے ہی میں مرید یا فقیری دے سکتے ہیں اور اگر کوئی صاحب قادری سلسلے میں مرشد ہیں تو وہ صرف قادری طور و طریقے پر ہی مرید یا فقیری دے سکتے ہیں۔ ایسا بالکل نہیں ہے کہ ایک صاحب ایک سلسلے کے مرشد ہوں اور اپنے سلسلے کے علاوہ کسی اور بھی سلسلے میں بیعت یا فقیری دے دیں یہ ٹھیک نہیں ہے۔ جو نعمتیں ایک مرشد اپنے مرشد سے حاصل کئے ہوئے ہوں وہی تو دے سکتے ہیں جو نعمت حاصل کی ہی نہیں وہ دوسروں کو کیسے دے سکتے ہیں۔ کوئی صاحب یہ کہیں کہ مجھے اتنے گھر سے ملی ہے اور کوئی کہیں کہ مجھے اتنے گھر کی ہے تو یہ سب ٹھیک نہیں ہیں عجازی نعمت علیحدہ بات ہوتی ہے اور طریق علیحدہ مقام ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی صاحب رفاعیہ سلسلے کے مرشد ہیں تو رفاعیہ سلسلے ہی میں طریق دے کر فقیر بنا سکتے ہیں اور اگر کوئی صاحب سہروردی کے ہیں تو وہ طریق دیں گے تو صرف سہروردی میں ہی دیں۔ ہاں نعمتیں ہر ایک کو کتنے کتنے گھر سے بھی ملیں ہوں یہ اور بات ہوتی ہے۔ جس سلسلے میں خلافت لئے ہوئے ہوتے ہیں۔ اصل منزل تو وہی ہوتی ہے اور عجازی نعمت صرف انہیں کے حق ہوا کرتی ہے جن کو عطا کی گئی ہو مثلاً اگر ایک صاحب ایک سلسلے میں پیالہ اور دیدا اور اس سلسلے کے طور و طریقوں پر فقیری حاصل کئے ہیں اور خرقہ و دستار لے کر خلافت کی منزل پائی ہے تو انہیں حق ہے کہ وہ انہیں اس سلسلے کے طور و طریقوں پر دوسروں کو یہ نعمت عطا کر کے خلافت سے نواز سکتے ہیں۔ ہاں اگر ایک صاحب کو ایک سلسلے کی خلافت کیساتھ ساتھ وہ دوسرے سلسلوں کے پیر و مرشدوں کی خدمت کر کے ان سے راز و نیاز پا کر اپنے قلب کو مطمئن کرتے ہیں اور کبھی کبھی دوسرے سلسلوں کے پیر و مرشدان صاحب کی خدمات سے خوش ہو کر اپنے سلسلے کی کچھ نعمت دے کر انہیں سرفراز کرتے ہیں تو

ایسے نعمتوں کو عجازی نعمت کہتے ہیں. ایسے عجازی نعمتوں میں کوئی مرشد خوش ہو کر اپنا مصلّٰی دے دیا. یا اپنے سلسلہ کی اوڑنی اوڑھا دی. یا کوئی سر کو دستار ہی باندھ دیا. یا کوئی اپنی تسبیح عطا کر دی اور کوئی اعصائے مبارک دیدیا. اور کوئی اپنے کھڑاوے عطا کر دے یا کوئی گودڑی بخش دی. یا کوئی پیر و مرشد یہ اجازت دے دی کہ جو کچھ بھی راز و نیاز عطا کیا گیا ہے اُس کو وہ دوسروں تک پہنچا سکتے ہیں اور قلوب کو مطمئن کر سکتے ہیں. تو یہ سب عجازی نعمتیں صرف اُن صاحب کے حق میں ہی رہیں گے. جنہیں عطا کی گئیں ہوں. چاہیں یہ نعمتیں کسی صاحب کو کتنے ہی سلسلوں سے ملیں ہوں. اور وہ صاحب اگر یہ کہہ لیں یا لکھ لیں کہ مجھے اتنے سلسلوں کی نعمتیں حاصل ہیں تو اُن کے حد تک ٹھیک بھی ہے. ہاں وہی صاحب اگر کسی اور صاحب کو جب طریق یا خلافت دیکر خلیفہ بناتے ہیں تو صرف اپنے اصل طریق پر ہی بنائیں گے اور خلافت لینے والے صاحب بھی صرف اُسی طریق کا نام لیں گے اور ایسا بالکل نہیں ہے کہ طریق کے ساتھ ساتھ مرشد کے عجازی نعمتیں بھی خلیفہ صاحب کو پہنچ گئیں عجازی نعمتیں تو جن کے حق میں عطا کی گئیں ہوں انہیں کے حد تک ہوا کرتی ہیں خلیفے صاحب یہ نہ سمجھیں کہ میرے مرشد کو اتنے گھر کی نعمتیں تھیں وہ سب کے سب مجھے بھی عطا ہو گئیں ہیں. ایسا سمجھنا یا لکھنا یہ سب غلط ہے. ہاں خلیفے صاحب بھی دوسرے بزرگوں کی خدمت کر کے کچھ عجازی نعمتیں پا لیتے ہیں تو یہ اُن کے حق میں جائز ہے. اور کوئی صاحب یہ کہیں کہ مجھے چار چودہ سلسلوں کی فقیری حاصل ہے "میں چار چودہ میں جس گھر کی فقیری چاہیں اس گھر کی فقیری دے سکتا ہوں" تو ایسے صاحب اصل راہ سے بہت دور اور غرور میں ہوتے ہیں. جو فقیری میں یا لکھنا جائز نہیں ہے اور ایسوں کے پاس دُنیا کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہوتا نہ یہ راہ پر ہوتے ہیں اور نہ آنے والے کی راہبری کر سکتے ہیں. دونوں کی مٹی خراب اور فقیری لینے کا اصل مقصد جو ہوتا ہے وہ جاتا رہتا ہے. ایسے مرشدوں کی

راہبری میں نہیں جانا چاہیئے اور ان سے بچ کر رہنا ہے۔ چار چودہ میں فقیری طور و طریقوں کا اور ان کے اصولوں کا گہرائی سے جائزہ لیا گیا ہے۔

آیئے کسی بھی ایک سلسلہ کے اصولوں کا تھوڑا جائزہ لیتے چلیں۔ سلسلے تو بہت ہیں۔ قادریہ، چشتیہ، رفاعیہ، جلالیہ، سہروردیہ، نقشبندیہ، مداریہ وغیرہ وغیرہ سب کے سب اپنے اپنے سلسلوں کے طور طریقے پر فقیری دیتے ہیں جو ان کے سلسلوں کے طور و طریقوں کے ساتھ جائز ہیں اور صحیح ہیں۔

آیئے! رفاعیہ سلسلہ کو ہی لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس سلسلہ میں کیسے فقیری دیتے ہیں:۔

جو صاحب رفاعیہ سلسلہ میں فقیر بننا چاہتے ہیں تو انہیں پہلے کسی پیر صاحب سے بیعت دے کر مرید بناتے ہیں۔ مرید بننے کے بعد انہیں دوسرے مرشد طریق دیتے ہیں یعنی جو صاحب بیعت دیکر مرید بناتے ہیں وہی صاحب طریق نہیں دے سکتے۔ طریق (داخل فقیری) دوسرے کسی مرشد سے کروا کر خلافت چاہیں تو وہی صاحب عطا کر سکتے ہیں جنہوں نے بیعت دے کر مرید بنایا تھا۔ ہاں اگر کوئی صاحب بیعت نہیں دی ہے اور طریق دیکر فقیر بنایا ہے تو وہی صاحب چاہیں تو خلافت بھی عطا کر سکتے ہیں۔ اس کا مطلب یہی ہوا کہ تین گھر مرید۔ طریق۔ خلافت (مرید بنانا۔ طریق دینا۔ خلافت عطا کرنا)

ایک ہی مرشد عطا نہیں کر سکتے۔ صرف دو گھر کی کاروائی ایک صاحب ادا کر سکتے ہیں۔ "مرید بناؤ۔ اور۔ پھر خلافت عطا کرو" یا مرید کسی اور کے ہوں تو "طریق اور خلافت ایک ہی صاحب سے عطا ہو سکتی ہے" یہاں ایک اور بات یہ بھی غور کرنے کی ہے کہ باپ کو اگر خلافت ہے تو بیٹے کو کسی حال طریق نہیں دے سکتے۔ بیعت دے سکتے ہیں اور خلافت بھی عطا کر سکتے ہیں طریق نہیں۔ ہاں اگر بھائی ہیں تو طریق اور خلافت دونوں چیزیں عطا کر سکتے ہیں

آیئے رفاعیہ سلسلے کے طریقی کاروائی کے طور و طریقے پر بھی کچھ نظر ڈالیں

کسی مُرید کو طریق دینے کیلئے مرشد اس کو اپنے روبرو بیٹھا کر پہلے جمیع جمع اللہ میں مقراض پھیراتے ہیں اور بعد میں مقراض کو مرشد خود اپنے ہاتھ میں لیکر فقیری میں آنے والے صاحب کے دائیں کان کے اوپر سر کے بال تین مرتبہ کترتے ہیں اور "چار آبرو صفایا" کیلئے کسی حجام سے جسم کے پورے بال نکلواتے ہیں اور مرشد حجام کے پاس کھڑے ہو کر ہر مقام کے بال صاف کرتے وقت وہاں کی آیت پڑھتے رہتے ہیں۔ (کونسی جگہ کے بال نکالتے وقت کونسی آیت پڑھنا ہے اور غسل دیتے وقت کیا کیا پڑھنا ہے اور کفنی دیتے وقت کیا پڑھنا ہے یہ سب معلوم کرنا ہے تو ہماری کتاب "محب الفقراء" کا مطالعہ کریں) اور جسم کے پورے بال صاف ہو جانے کے بعد غسل کرواتے ہیں اور مرشد آخر میں غسل کا پانی دیتے ہیں۔ اس کے بعد کفنی پہنا کر "کَنْ تَنَا" وغیرہ دے کر اس کو لا کر مرشد اپنے روبرو بیٹھا کر "تلقین" کرواتے ہیں۔

طریقی پانچ کلمے پڑھاتے ہیں۔ دست یداللہ دے کر اقرار لیتے ہیں، پیالا دیتے ہیں۔ سجدۂ تعظیمی یا تحیت کرواتے ہیں اور ایک نیا اسم لگاتے ہیں اور دید دے کر کلمہ برزق پڑھاتے ہیں۔ گروز سے برجر بند و سیل کرنے کے بعد گروز۔ دف اور جھولی لگواتے ہیں اور فقیری میں داخل ہونے والے صاحب کو "تل پھول" لانا ہوتا ہے اور اس کاروائی کے آخر میں "بھنڈارہ" پکتا ہے اور "پریال" تقسیم ہوتا ہے اور "ذرہ" بٹتا ہے۔ اس کے بعد فقیر کو فقراء کی مجلس میں شامل کر لیا جاتا ہے اور اس کو "جمیع جمع اللہ" میں "بستر" لگانے کی "امر" دی جاتی ہے۔ تین دن تک اس کو کفن میں ہی رکھا جاتا ہے۔ تین دن کے بعد "بھاجی روٹی" پکا کر فقیر کی "زیارت" کرتے ہیں اور فقیر کو صندل وغیرہ چڑھا کر فاتحہ خوانی ادا کرتے ہیں۔ فاتحہ خوانی پڑھنے کے بعد فقیر کو ایک مقام پر بیٹھا کر عبادت میں لگا دیتے ہیں۔ اس طرح یہ فقیری کاروائی مکمل ہو جاتی ہے۔ اب مرید مرید نہیں رہے بلکہ فقیر ہو گئے اور

اور ایک نیا نام بھی لے لیا۔ تصوف کے دائرے سے یہ ایک "مُوتُوا قَبلَ اَنتُم مُوتُوا" کی منزل بتائی جاتی ہے۔

چار آبرو صفایا

اس کے متعلق کچھ اور گہرائی میں جائیں تو یہاں ایک باریکی یہ آتی ہے کہ "چار آبرو صفایا" کے معنی کیا ہیں؟ اس کے معنی یہ ہیں کہ آدم کے جسم میں چار مقامات ایسے ہیں جنہیں "آبرو" کہتے ہیں۔ اس مقام کے بال کو صاف کرنا ہی "چار آبرو صفایا" کہلاتا ہے جو رفاعیہ سلسلے میں اور دیگر چند اور سلسلوں میں بھی بہت ہی ضروری ہے، "آبرو" کے معنی عزت والے مقام یا ایسے مقامات جہاں پانی بہتا ہے کے آتے ہیں اور ایسے مقامات آدم میں چار ہیں (چار آبرو کے اس سے زیادہ راز کو کھولنے سے اور ان پوشیدہ مقامات کے راز کو ظاہر کرنے سے یہ ناچیز فقیر بالکل عاجز ہے۔)

مقراض

رفاعیہ سلسلے میں ایک اور اہم مسئلہ یہ ہے کہ "مقراض" کا چلانا اکثر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اس بات پر بہت بحث ہوا کرتی ہے کہ مقراض کو ایک مقام پر چلانا ٹھیک ہے یا چاروں مقام پر۔ ایک اور بحث یہ بھی رہتی ہے کہ مُرشد خود مقراض کو چاروں مقامات پر چلانا ٹھیک ہے یا مرشد مقراض کو ایک مقام پر چلانے کے بعد باقی کا مکمل صفایا کسی حجام سے پاک کروا سکتے ہیں یا نہیں"۔ اکثر تو یہی دیکھا گیا ہے کہ مُرشد مقراض کو ایک مقام پر چلا کر باقی کا مکمل صفایا کسی حجام سے صاف کرواتے ہیں اور صفایا کے وقت پر مرشد خود حاضر رہ کر ہر مقام کیلئے آیتیں پڑھتے رہتے ہیں۔ چند علاقوں میں یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ مرشد خود چار مقامات پر مقراض چلا کر باقی کا صفایا کسی "کاریگر" کے ذریعے کرواتے ہیں۔ جیسا بھی ہو ایک ایک مقام کی ایک ایک "ریت" ہوا کرتی ہے جو اُس اُس مقام کے لحاظ کے تحت ٹھیک ہی ہے۔ کیونکہ ایک ملک سے ایک ملک کے اور ایک مقام سے ایک مقام کے ریت کے درمیان کچھ نہ کچھ فرق ضرور آجاتا ہے لیکن سب کا منشاء یا مقصد تو ایک ہی ہوا کرتا ہے کہ "چار آبرو صفایا" دیا جائے ہر ایک کو ایک دوسرے کے طور طریقے کا احترام کرنا چاہیئے اور اپنے اپنے طور و طریقے کو قائم رکھتے ہوئے ہر ایک کی کاروائیوں

میں شامل ہونا چاہیئے، اور اصل بات تو یہی ہے کہ سلسلہ کو ترقی دی جائے اور بزرگانِ دین سے جو جو نعمتیں چلی آرہی ہیں ان نعمتوں کو قائم رکھیں اور "ریت" ہمیشہ زندہ رہے اور جاری رہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر ایک کو اپنا اپنا سلسلہ اور اپنے اپنے طور و طریقے پسند ہیں اور ان پر ناز کریں یہ بھی بجا ہے، لیکن دوسروں کے طور و طریقے کو غلط کہیں یہ ٹھیک نہیں۔ "ترک الدنیا" کی راہ پانے کیلئے کوئی آئے اور یہاں بھی وہی "حُبُّ الدُّنیا" ملیں تو پھر کوئی کیا کہیں۔ اور فقیری کی جو حقیقی لذت ہے اس لذت کا اور اس مقام کا کیا ہوگا.....

آیئے ایک اور اہم بات پر بھی نظر ڈالتے چلیں۔ بہت سے جدید تعلیم یافتہ بھائی اور اکثر علماء ظاہر یہ پوچھتے ہیں کہ "یہ چار ابرو صفایا" جس میں جسم کے پورے بال نکالتے ہیں اس کا کیا مسئلہ ہے یہ اسلام میں کب سے آیا ہے اور یہ سب کروانا کیسے جائز ہے کہ سر کے بال منڈوانا، چہرے کے بال نکالنا، جسم کے پورے بال کا صاف کروانا کفنی پہنانا وغیرہ وغیرہ۔ فقیری ایک ایسی راہ ہے، اس میں داخل ہونے والے کو قدم قدم پر امتحان لیا جاتا ہے، اور یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ اس راہ میں چلنے اور اپنی محبوب چیزوں کی قربانی دینے میں کہاں تک تیار ہے۔ اس سے کئی امتحانات لینے کے بعد ہی اس کو فقیری میں لانے کے قابل سمجھا جاتا ہے "جیسا کہ ایک مرتبہ حضرت شبلیؒ نے کلمۂ طیبہ پڑھنے کے متعلق اپنے ایک مرید سے امتحان لیا تھا"۔ بہر حال ایسے ہی امتحانات لینے کے بعد اس کے مضبوط ایمان و ارادے کا پتہ کر کے ہی اس راہ میں لیا جاتا ہے۔ ہر سلسلے میں ایسے کچھ نہ کچھ امتحانات ضرور ہوا کرتے ہیں۔ فقیر کو اپنے مرشد پر مکمل ایمان رکھنا پڑتا ہے۔ اگر مرشد کہیں کہ کنوئیں میں کود جا، تو کود جانا ہوتا ہے"۔ الغرض رفاعیہ سلسلے میں چار ابرو صفایا بھی ایک ایسی ہی آزمائش ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے اور بھی کئی راز پوشیدہ ہیں، جو بزرگان دین سے چلے آرہے ہیں اور ہر دور میں ان اصولوں کو برابر جاری رکھا گیا ہے۔

"چار ابرو صفایا کا رواج کہاں سے شروع ہوا ہے!! اس کے متعلق بہت تلاش کے بعد یہ پتہ ملتا ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؒ کے زمانے میں بھی مقراض

چلی ہے اور اس دور میں چار ابرو صفایا بھی ہوا کرتا تھا اور آپؓ نے بھی مقراض چلائی ہے آپؓ نے پیشانی کے اوپر دائیں جانب ایک ہی مقام پر تین مرتبہ بال کترے ہیں۔ یعنی مقراض ایک مقام پر ہی چلی ہے۔ چار ابرو صفایا آپؓ کے زمانے سے پہلے سے بھی جاری ہے اور بھی گہرائی میں جا کر دیکھیں تو آقائے نامدار حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے مبارک میں بھی یہ نعمت عمل میں رہی ہے (اسرار التصوف لاہور" جو اس صدی کے پہلے سالوں میں یعنی سنہ 1925ء میں شائع ہوا ہے اس میں موجود ہے کہ) سب سے پہلے حضرت میر جمالؒ نے اپنے مرشد حضرت عبدالعزیز مکی قلندر اصحابیؓ اس قدر بوڑھے ہو گئے تھے کہ آپ کے جسم کے تمام بال خود بخود گر گئے تھے۔ آپؓ سے جب حضرت میر سید جمالؒ نے طریق حاصل کی تو آپ اپنے مرشد کے ظاہر اور باطن دونوں میں ایک ہی رنگ کو قائم رکھتے ہوئے ڈوب جانا چاہتے تھے۔ اس لئے آپ نے چار ابرو صفایا کیا اور اپنے مرشد کے رنگ ہی میں رنگ گئے۔ اس طریقہ کو بزرگانِ دین برابر اپناتے رہے۔

بہر حال یہ چار ابرو صفایا سلسلہ چلتا رہا اور حضرت سید علاء الدین علی الواسطیؒ سے یہ نعمت حضرت سید سلطان احمد الکبیر معشوق اللہ رفاعی قدس اللہ سرہٗ العزیز کو حاصل ہوئی۔ اور آپ سے لیکر اس دور تک بھی یہ نعمت رفاعی سلسلے میں اپنے اصل طور طریقے پر برابر جاری و ساری ہے۔ اس سلسلے کے بزرگانِ دین ایسا بھی کہتے ہیں کہ اللہ پاک اپنے بندوں کے لئے حج بیت اللہ کے ادا کرنے میں جو جو نعمتیں رکھے ہیں۔ کچھ ایسی نعمتیں ان سلسلوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ مثلاً اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ "لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا" (الفتح)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو سچا خواب دکھایا جو مطابق واقع کے ہے کہ تم لوگ مسجدِ حرام میں انشاءاللہ ضرور جاؤ گے امن و امان کے ساتھ کہ تم میں کوئی سر منڈاتا ہوگا اور کوئی بال کتراتا ہوگا۔ تم کو کسی طرح کا اندیشہ نہ ہوگا۔ سو اللہ تعالیٰ کو وہ باتیں معلوم ہیں جو تم کو معلوم نہیں۔ پھر اس سے پہلے لگے ہاتھ ایک فتح دے دی۔

اس فرمانِ خداوندی میں سر کے بال منڈانے یا کترانے کی بات آئی ہے۔ چار ابرو صفایا میں

پہلے مقراض کو چلا کر بال کرتے ہیں اور بعد میں پورے بال منڈاتے ہیں

اس سلسلے کے بزرگوں کا کہنا یہ بھی ہے کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو چار مرتبہ "شق الصدور" ہوا تھا۔ اسی چار کی نسبت چار ابرو میں لی گئی ہے۔

لباس التقویٰ جسطرح ظاہر میں باطن پوشیدہ ہے اور شریعت میں طریقت موجود اسی طرح فقیری کے ہر سلسلے میں احکاماتِ خداوندی چھپے ہوئے ہیں۔ "لباس التقویٰ" جسے حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ نے اپنایا تھا۔ ایک سفید کپڑا نیچے باندھتے اور ایک کپڑا اوڑھ لیا کرتے تھے۔ یہ لباس اللہ پاک کو بہت پسند آیا تو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ہر حاجی پر اسی تقویٰ کے لباس کو قائم فرما دیا۔ گہرائی میں جا کر دیکھیں تو ہر حاجی کم از کم حج کے پانچ دنوں میں بالکل فقیری انداز میں ہی رہتا ہے۔ لباس بھی تقویٰ کا اور رہن سہن بھی۔ اور جو ملا کھا لیا اور نہ ملا تو توکل کر لیا۔ اور جہاں رات ہوئی وہیں زمین پر ہی سو گیا۔ نہ بستر اور نہ اوڑھنا۔ ایسے ہی سو گیا۔ اور اللہ پاک کا شکر ادا کیا۔ لباس مٹی سے میلا ہو گیا ہے یا پاک ہے اسکی کوئی فکر نہیں۔ صرف اللہ اور اُس کے رسولؐ کی یاد دل میں رہتی ہے اور ہر حال میں مست رہتا ہے۔ اور اپنے آپ کو اللہ پاک کے اتنا قریب سمجھتا ہے کہ گویا وہ بالکل اُسکے ساتھ ساتھ ہی ہے اور اُسی کا محتاج ہے۔ جو حالت حج کے ایام میں حاجیوں کی ہوا کرتی ہے وہ تو بالکل فقیرانہ ہی ہوتی ہے۔ انہیں لذتوں کو بزرگانِ دین نے بھی قائم کیا ہے اور اپنایا ہے فقیرانہ لباس تو حضرت آدمؑ سے ہے اور یہ پیغمبروں اور انبیاء علیہ السلام کا لباس رہا ہے گودڑی ڈالنا۔ چادر اوڑھنا۔ تہہ بند باندھنا۔ لنگوٹ تنا کا لگانا۔ کمر بند باندھنا تسمہ لگانا کنٹھا ڈالنا۔ عصا رکھنا تیر رکھنا بٹوا لگانا جھولی لگانا کچکول کو اپنے ساتھ رکھنا یہ سب انمول چیزیں تو اللہ رب العلمین کی مرضی کے مطابق چلی آ رہی ہیں۔ انہیں اصول کے تحت ہر طریق میں بھی لباس کی پابندی ہوتی ہے تاکہ اصول فقیری میں لذت رہے اور عام لوگ جنکی نظر صرف ظاہر ہی دیکھ پاتی ہے۔ اور فقیر کی حقیقت سے نہ واقف رہتی ہے اُنکی نظر بھی فقیر کے حال و قال سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ فقیر ہمیشہ اپنے حال "وصلے" کیساتھ مست رہا کرتا ہے۔ اور اسکے لئے اسکے لباس کی بھی بہت اہمیت ہوا کرتی ہے۔

حقیقت میں فقیری لباس ہی تقویٰ کا لباس ہے طریق میں آنے کے بعد تہہ بند میں لنگی باندھتے ہیں

اور لنگ کے اندر "لن تنا" کا ہونا بہت ہی ضروری ہوتا ہے۔ ویسے دیکھیں تو لباس کی کوئی قید نہیں ہے پھر بھی فقیری میں آنے کے بعد پائجامہ نہیں استعمال کرتے بلکہ لنگ ہی پہنتے ہیں اگر لنگ بغیر سیوں کی ہو تو بہت بہتر ہوتی ہے۔ لنگ کے اندر "لن تنا" کا ہونا ضروری ہے "لن تنا" میں لنگوٹ باندھتے ہیں، لیکن اگر تسمہ ہو تو بہت ہی بہتر ہوتا ہے۔

تسمہ

"لن تنا" کیلئے تسمہ ہی بہت افضل ہے۔ اسکو فقیر اپنے ہر حال میں رکھتا ہے فقیر کا "حال وقال" جیسا جیسا بدلتا چلا جاتا ہے اُسکے لباس میں بھی تبدیلی آتی چلی جاتی ہے۔ ایک مقام پر پہنچنے کے بعد اکثر فقراء کو ایسی حالت میں بھی دیکھا گیا ہے کہ وہ صرف مقام عورت کو چھپانے کی حد تک ہی کپڑا استعمال کرتے ہیں۔ اور پورا بدن ننگا رہتا ہے جسم پر کوئی لباس نہیں مرد کے ناف اور رانوں کے درمیانی حصہ کو تصوف میں عورت کہتے ہیں۔ اس مقام کے پردے کیلئے ہی کپڑا استعمال کیا جاتا ہے لیکن اس حال میں بھی تسمہ ضرور رہتا ہے۔ تسمہ کی آیت یہ ہے:۔ "اَللّٰھُمَّ سَوِّعَوْرَتَنَا مِنْ رَعْوَتِنَا اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ"۔ فقیر واحدانیت میں جب مکمل طور پر ڈوب جاتا ہے اور اسکی حالت مجنوں کی سی ہو جاتی ہے۔ تب بھی جسم پر کوئی لباس رہے نہ رہے لیکن تسمہ ضرور لگا ہوا ہوتا ہے تسمہ میں ایک چمڑے کی ڈوری اور ایک کپڑے کا ٹکڑا ہوتا ہے چمڑے کی ڈوری کمر میں باندھ لیتے ہیں اور ایک کپڑے کا چوڑا ٹکڑا آگے سے پیچھے تک لیجا کر باندھ لیتے ہیں۔ تسمہ ہر سلسلے کے فقراء میں بھی پایا جاتا ہے اور چند فقراء تسمہ میں کمر کو کچے دھاگے کے سات پھیرے باندھکر ایک سفید کپڑے کا ایک چوڑا ٹکڑا لیکر آگے سے پیچھے کچے دھاگوں سے باندھ لیتے ہیں۔ فقیر کو تسمہ کی بہت حفاظت کرنی ہوتی ہے۔ اکثر تسمہ چمڑے کا بھی استعمال کرتے ہیں۔ اگر تسمہ چمڑے کا ہوتا ہے تو فقیر کے پردہ ہونے کے بعد نکال دیتے ہیں تسمہ کے متعلق اور تھوڑا گہرائی میں جائیں تو یہ پتہ ملتا ہے کہ تسمہ کا طریقہ میران خلیل دیوان رح سے نکلا ہے۔ تسمہ لیتے وقت "اَرْتَعِیْنَ اَمْرَ اللّٰہِ عَابِدَ وْن کہتے ہیں۔ اور کمر میں باندھتے وقت وَاَنَ یَقُوْلُ لَھُمْ کُلْ لَھُمْ خَشِیْبَ سُنَّۃِ کہتے ہیں۔ تسمہ چمڑے کی ایک باریک ڈوری سے تیار کرتے ہیں اور اسکو کمر سے باندھکر اسمیں ایک کپڑا آگے سے پیچھے لگا لیتے ہیں۔ تسمہ باندھتے ہیں تو لنگوٹ کی ضرورت نہیں رہتی۔ تسمہ باندھنے کا طریقہ تو حضرت آدمؑ سے چلا آرہا ہے طریق میں ہر بزرگانِ دین نے اس پر زور دیا ہے اور حضرت بہلول دانا رح نے تسمہ کو بہت ہی اہم قرار دیا ہے اور رفاعی سلسلے میں تو بہت ہی ضروری ہے چمڑے کی باریک ڈوری تیار کرنیکی آیت یہ ہے:۔ "ثَوَیْتَ الْحَیِّہِ وَ الْمَیِّہِ خَالِدِیْنَ فِیْھَا اَبَدًا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ" تسمہ سے کپڑا لگا کر

تسمہ کو مکمل کرنے کی آیت یہ ہے۔ "فَمَنْ يَمْشِي سَوِيًّا عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ" اور تسمہ کا کلمہ یہ ہے "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ إِذَا سَمَاتَ الصَّابِرِينَ وَلَا تَسْمَعُ نَهِيقَهَا إِلَّا عَنْدِي وَإِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا لِّيَغْفِرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ۔ اور آیت گرہ (گھانٹی ڈالتے وقت) یہ ہے۔ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ۔ اور تسمہ کھولتے وقت یہ پڑھتے ہیں۔ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ الدِّينِ۔ فقیری کے ہر اصول اور ہر احکام کا پابند رہنا فقیر پر فرض ہے۔ اِن اصولوں کو اپنا کر ہی فقیری میں لذت پاتا ہے۔ بہر حال چار ابر وصفایا کروانا۔ اور کفنی دینا جس میں ایک سفید کپڑا نیچے باندھتے ہیں اور ایک سفید کپڑا اوپر گلے میں ڈال دیتے ہیں اور تسمہ لگانا یہ سب چیزیں فقیری میں بہت ہی ضروری رکھے گئے ہیں۔

لیجئے۔ فقیری کے دو ایک اور باتوں پر روشنی ڈالتے ہوئے پھر سے اپنے اصل مقصد پر آجاتا ہوں۔ وہ یہ ہیں کہ فقیری میں آنے کے بعد اس کے اصولوں اور قاعدوں پر قائم نہ رہنے اور رہنے پر "سزا و جزاء" بھی رکھی گئی ہے۔ یعنی فقیری دائرے میں شامل ہونے کے بعد ان سے کوئی خطا ہوتی ہے تو اس کی سزا بھی مقرر ہے۔ دوسری طرف اگر فقیر ٹھیک طور سے اپنے عمل میں لگا رہتا ہے تو اس کے مراتب بلند ہوتے رہتے ہیں۔ فقراء کے ہر سلسلے میں یہ سزا و جزاء رکھی گئی ہے اور جب بھی کسی فقیر کو سزا سناتے ہیں تو اس کو "آواز" کہتے ہیں۔ جس کسی پر "آواز" رہتی ہے اس کو فقراء اپنی جماعت میں نہیں لیتے۔ اور نہ ہی کسی طریقی کاروائی میں اس کو شامل کرتے ہیں۔ یہ "آواز" کبھی کبھی چند ماہ کی ہوتی ہے اور کبھی کبھی سال دو سال کی اور اگر خطا بہت بڑی ہے یعنی کوئی فقیر زنا یا فقراء کی جماعت کے خلاف کام کرتا ہے تو اس کو بارہ سال تک کی آواز ہو سکتی ہے۔ ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ "آواز" کی مدت کے اندر کسی فقیر کی موت ہو جاتی ہے تو "آواز" کی مدت ختم ہونے پر فقراء کی جماعت اس کے قبر پر جا کر اس کی "آواز" کو "بحال" کرتے ہیں کھولتے ہیں۔ فقراء میں سب سے بڑی سزا "خارج از ملت" کی ہوتی ہے یعنی فقیری سے نکال دیتے ہیں۔ اور پھر کبھی بھی اسکو فقیری میں نہیں لیتے۔ ان سب

فقیری قاعدوں کو دیکھنے کے بعد فقیری میں جو کوئی آتا ہے وہ "باقید" ہوا کرتا ہے یعنی پابندیوں کے دائرے کے اندر رہتا ہے اور آداب کو قائم رکھتا ہے۔ ہر زمانے میں بھی فقراء میں یہ پابندیاں برابر چلی آرہی ہیں۔ ان قاعدے قانون کو نبھاتا ہوا ہی فقیر اپنی منزل کو ترقی دے پاتا ہے طریق لے کر فقیر ہونے کے بعد اس کو ایک مدت تک عبادت و ریاضت میں لگائے رکھتے ہیں۔ اور فقیر بھی اپنی محنت و مشقت سے اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں جد و جہد کر کے اپنے مقام کو منزل بہ منزل ترقی دیتا ہوا بڑھتا چلا جاتا ہے اور تقویٰ و پرہیزگاری کو قائم رکھتے ہوئے جب اس میں کچھ قوت و روشنی آجاتی ہے اور وہ علم سے بھی آشنا ہوتا ہے اور اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں رہ کر راز و نیاز کو بھی پاتا ہے اور اس قابل ہو جاتا ہے کہ بارِ امانت کو اٹھا سکے۔ تو اس کو بارِ امانت خرقہ خلافت دے کر سرفراز کرتے ہیں اور خلیفہ بناتے ہیں۔ فقیر جب خلیفہ بنتا ہے تو اس کا مرتبہ بہت اعلیٰ ہوتا ہے اور اسکا ہر عمل احکاماتِ خداوندی کے تحت ہی ہوتے رہتے ہیں

خرقۂ خلافت

ہر ایک سلسلے میں بھی طریقی منزل مکمل ہونے کے بعد خرقۂ خلافت کی بارِ امانت عطا کر کے خلیفہ بناتے ہیں اور مراتب کو بلند سے بلند کرتے جاتے ہیں۔ "اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً" کے تحت خلافت کی بزرگی کو زمین پر قائم رکھتے ہیں۔ خلیفہ بننے کے بعد وہ بھی اسی عمل کو قائم رکھتا ہے اور وہی کرتا ہے جو اُنکے پیر و مرشد نے کیا تھا اور خرقۂ خلافت کے اسرار کو خلیفہ قائم رکھتا ہے۔

اہلِ طریقہ و اہلِ تصوف حضرات سے یہ راز کچھ پوشیدہ نہیں ہے کہ معراج مبارک کا سفر کس غرض سے ہوا تھا اور اس مبارک سفر میں آقائے نامدار حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا چیزیں دیکھیں۔ اور ربّ العلمین سے آپؐ کو بارِ امانت کس طرح حاصل ہوئی۔ اس مبارک سفر میں آپؐ نے خرقۂ مبارک کو کہاں رکھا ہوا پایا تھا اسکے متعلق کچھ تلاش کرنے پر روایات سے یہ بات روبرو آئی ہوئی ہے کہ آقائے دو عالمؐ سردارِ انبیا صلی اللہ علیہ وسلم معراج کے مبارک سفر میں کئی بلند مقامات کی سیر کرتے ہوئے بلندیوں سے بلند مقام پر پہنچے اور وہاں پر جنت میں

ایک بہت ہی اعلیٰ مقام پر ایک بہت ہی خوبصورت محل کو آپؐ نے دیکھا اور اس محل پر پہنچے۔ یہ محل سفید موتیوں سے بنا ہوا تھا۔ آپؐ اسکے اندر داخل ہوئے اور آپؐ نے دیکھا کہ ایک بلند مقام پر ایک بہت ہی خوبصورت نورانی صندوق رکھا ہوا ہے۔ آپؐ نے اللہ رب العلمین کی طرف توجہ فرمائی اور دریافت کیا کہ اس صندوق میں کیا ہے۔ فرمان ہوا۔ اے محمدؐ اس میں میرے اسرار پوشیدہ ہیں۔ ان اسرار میں ایک گہرا راز ہے اور یہ راز صرف انہیں پر روشن ہوتا ہے جنہیں اللہ تعالےٰ دوست رکھتا ہے سردارِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے اس صندوق کو کھولنے اور اس کے راز کو ظاہر کرنے کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے اس صندوق کو کھولا۔ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ صندوق کے کھلتے ہی نور کی بارش ہونے لگی۔ اور صندوق کے اندر ایک ریشمی کپڑے میں لپٹا ہوا ایک بہت ہی خوبصورت خرقہ رکھا ہوا ہے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالےٰ سے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے۔ فرمایا خداوندے تعالیٰ نے کہ یہ فقیر کا مرقع ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ یہ دولت مجھے عنایت فرمائیں۔ خطاب ہوا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ مرقع آپؐ اور آپؐ کے امتیوں کیلئے منتخب کیا ہے۔ جس روز سے میں نے اسے وجود میں لایا ہے صرف اپنے دوستوں کے ہی حق اس کو رکھا ہے۔ میں نے اس سے زیادہ پیاری چیز کوئی پیدا نہیں فرمائی۔

آقائے دوجہاں حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اللہ رب العلمین کی دیدار و دید ہوئی تو یہ نعمت اللہ تعالیٰ نے اپنے دستِ مبارک سے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو عنایت کی آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پہن کر بہت ہی مست ہوئے اور مسرت حاصل کی اور فرمایا۔ "الفقر فخری"۔

آیئے فقیری سلسلوں میں خرقۂ خلافت کے متعلق کچھ تفصیل سے جائزہ لیتے چلیں۔ ہر فقیری سلسلے میں خرقۂ خلافت نوازنے کا اپنا اپنا طور طریقہ ہوتا ہے۔ سلسلۂ شاہ رفاعی اللہ" میں ہی لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس سلسلے میں خرقۂ خلافت عطا کرنیکا کیا طریقہ ہے۔ خرقۂ خلافت کی کاروائی کیلئے جمیع جمع اللہ کا حاضر ہونا ضروری ہے۔ جمع اللہ میں اگر چند خلفاء اور ایک یا دو سردار اور عہدے داروں اور چند مریدے موجود ہیں تو یہ ایک مجلس ہو جاتی ہے۔ اور اگر کہیں چوک، چوگھٹی جمع ہے

یا کسی بزرگ کا میلہ یا صندل و عرس شریف کا موقع ہے تو بھی بہتر ہوتا ہے اور اور اگر ایسا موقع نہیں ہے تو صرف جمع اللہ کے روبرو ہی خلافت کی کاروائی ادا ہو سکتی ہے جو صاحب خرقۂ خلافت لینا چاہتے ہیں ان کی مریدی اور طریقی منزل مکمل ہو کر رہنا بہت ضروری ہے۔ خلافت لینے والے صاحب باعلم اور صوم و صلوٰۃ کے پابند رہنا چاہیئے۔ خلافت کے وقت دینے اور لینے والے دونوں صاحبان باہوش ہوں۔ خرقۂ خلافت کی کاروائی کے لئے ان چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔

خرقہ کسی بھی رنگ کا ہو سکتا ہے۔ اگر کالا رنگ کا ہے تو بہت بہتر ہے کیونکہ اس کالے رنگ میں بہت سے اسرار پوشیدہ ہیں۔

دستار شاہ رفاعی سلسلہ میں صرف ہرے رنگ کا ہی ہوتا ہے (دستار کیلئے گیارہ (۱۱) ہاتھ ایک بالشت اور چار (۴) انگول لمبا بغیر سیون کا تاگے سے بنا ہوا ہونا چاہیئے)

پریال:۔ بریال چاول اور گوشت سے تیار کر کے ایک کچکول میں رکھ لیں۔

نشان:۔ یعنے دستِ یداللہ کا پنجہ جو شاہ رفاعی میں حضرت سید سلطان احمد اکبیر رفاعی قدس اللہ سرہٗ العزیز سے چلا آرہا ہے، بلند کر کے رکھ لیں۔

صندل صندل: عطر و گلاب سے تیار کر لیکر ایک کچکول میں رکھ لیں۔

ان سب چیزوں کو جمع کر لینے کے بعد خرقہ و دستار پھرانے کی اجازت ہے کیا پاکبازو" تین مرتبہ للکار کرنے کے بعد اجازت لیکر خرقہ و دستار کے کچکول کو کل جمیع جمع اللہ کا دست لگائیں۔ اس کے بعد پیر و مرشد اور خلافت لینے والے صاحب دونوں کھڑے ہو کر پہلے خرقہ لے کر مرشد خود پہن کر اور نکال کر خلیفہ صاحب کو پہناتے ہیں اور دستار کو بھی خود باندھ کر نکال کر خلیفہ کو باندھتے ہیں۔ (یہاں ایک بات قابلِ غور یہ ہے کہ پیر و مرشد اپنا خود کا خرقہ و دستار جو پہلے سے پہن اور باندھ کر بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں ان کو نکالنے کی ضرورت نہیں بلکہ اسی کے اوپر خلیفہ صاحب کا خرقہ و دستار پہن اور باندھ کر نکال کر خلیفہ صاحب کو پہناتے ہیں۔ اور باندھتے ہیں)

اس کے بعد دونوں صاحب ایک کے ایک آمنے سامنے بیٹھنے کے بعد تلقین ہوتی ہے طریقی گیارہ (۱۱) کلمے پڑھاتے ہیں۔ سجدے تعظیمی ادا ہوتا ہے اور اگر خلیفہ صاحب مرشد ہی کے معصوم ہیں تو پیالے کی ضرورت نہیں۔ اگر نہیں ہیں تو

پیالہ دیتے ہیں۔ اس کے بعد نشان خلیفہ کے سیدھے کاندھے پر رکھ کر گیارہ (۱۱) قدم دور کھڑا کر کے مرشد صاحب گیارہ (۱۱) اسمِ مبارک پڑھتے ہیں اور ہر اسمِ مبارک پر خلیفہ ایک ایک قدم رکھتے ہوئے چل کر گیارہ قدم مکمل کرتے ہیں اور جب مرشد کے قریب آجاتے ہیں تو مرشد خلیفہ کا بازو پکڑ کر "اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً" کہتے ہوئے اپنے بالکل بازو مسند پر بیٹھا لیتے ہیں، اور عہدے داروں سے خلیفہ صاحب کے اسم کی للکار ہوتی ہے۔ خلیفہ صاحب کا طریقی نام جو ہوتا ہے اس میں خلیفہ رفاعی کو ملا کر للکار ہوتی ہے۔ جس میں فلاں صاحب کے فلاں صاحب خلیفہ بنے ہیں نظر رکھو یا کبازو کی للکار کے ساتھ ہی "لَطِفَ اَنْبِیَاءَ کَرَم اَوْلِیَاء بَفَضْل پَنْجَتَنْ ۴ یَا عَلِیْ اَلْمَدَد دھل دھل دھل" کہتے ہیں۔ اس کے بعد خلیفہ کو صندل چڑھا کر پریال کی فاتحہ ہوتے ہیں اور حاضرینِ مجلس کی خدمت میں ذرہ تقسیم ہوتا ہے۔ اس طرح خرقۂ خلافت کی کاروائی مکمل ہوتی ہے اب تک جو معصوم تھے وہ اب خلیفہ بن گئے اور بارِ امانت حاصل کرلی۔ اس کے ساتھ ہی انہیں وہ سب اختیارات حاصل ہوگئے جو کہ ان کے پیر و مرشد کے پاس تھے اب یہ خلیفہ صاحب بالکل اپنے مرشد کی طرح بن گئے۔

(خرقۂ خلافت کی کاروائی میں کونسے وقت کونسی آیت پڑھنا ہے اور گیارہ کلمے کونسے ہیں اور گیارہ اسمِ مبارک کونسے ہیں یہ سب معلوم کرنے کے لئے ہماری کتاب "محب الفقراء" کا مطالعہ کریں۔ اس کتاب میں بہت ہی تفصیل کے ساتھ ہر چیز کی آیت درج ہے)

کبھی کبھی ایسا بھی موقع ہوتا ہے کہ پیر و مرشد سفر میں ہیں اور کوئی صاحب آکر ان سے خلافت لینا چاہتا ہے یا کوئی صاحب دور کا سفر کر کے اتفاقاً آگئے ہیں یا ایسا مقام ہے کہ جہاں پر جمیع جمع اللہ جمع ہونے کا موقع نہیں ہے۔ یا جو صاحب خرقۂ خلافت لینا چاہتے ہیں وہ کسی سبب دور و دراز کا سفر نہیں کر سکتے یا فلاں ہی وقت پر یا فلاں ہی مقام پر لینا ہے کر کے انتظار نہیں کر سکتے تو ایسے موقعوں پر خلافت دینا پڑے تو بھی کم از کم چند خلفا عہدے داران اور مریدوں کا جمع رہنا بہت ضروری ہے مجلس کے روبرو ہی خلافت ادا ہو سکتی ہے اور خلافت کے وقت وہ سب چیزوں کا ہونا بہت ہی ضروری ہے جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔

خلافت کا طور و طریقہ ظاہر میں تو حضرت آدمؑ سے آیا ہوا ہے۔ قرآن شریف میں موجود ہے کہ اللہ ربّ العٰلمین نے حضرت آدمؑ کو "اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً" (البقرۃ۔ ۲۰) کے تحت خلافت عطا کر کے اپنا خلیفہ و نائب بنایا۔ اور جو جو علم موجود تھے وہ سب حضرت آدمؑ کو سکھلایا اور پُر اسرار بھیدوں کو بھی آپؑ پر روشن کیا۔ اور سلسلے کو بڑھانے کے لئے زمین پر روانہ کیا۔ لیکن اہلِ تصوّف و اہلِ طریق و چار چودہ۔ خرقۂ خلافت کی نعمت جو رازوں سے بھرپور ہے۔ وہ اللہ پاک اور اُس کے پیارے حبیبِ پاک حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان معراج مبارک کے موقع پر سرِ لامکان میں ادا ہوئی تھی۔ اور ربّ العٰلمین نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خرقہ و دستار سے نواز کر رحمت العٰلمینؐ کے اسمِ مبارک کو کل کائنات میں روشن کیا۔ اور خلافت کے تحفہ میں کچکول عطا کیا تھا۔ اُسی خلافت کو لیتے ہیں۔ ہر سلسلہ کا "شجرۂ مبارک" اور "واسطہ مبارک" میں یہی رمز ظاہر ہوتا ہے اور ہر سلسلے والے اِسی خلافت کو جاری و ساری رکھے ہوئے ہیں۔

"ربّ العٰلمینؐ" سے "رحمت العٰلمینؐ" کو "اَنَا مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ تَعَالٰی کُلُّ شَیْءٍ مِنْ نُوْرِیْ" کے تحت بارِ امانت عطا ہوئی۔ حضرت محمد رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو "اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا" کے تحت عطا ہوئی۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے یہ بارِ امانت "مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ" کے تحت چار چودہ میں چلی آرہی ہے اور اِسی خرقۂ خلافت کو اہلِ طریقت حضرات سر بہ سر لیتے آرہے ہیں۔ جو انشاء اللہ قیامت تک قائم و دائم رہے گی۔

الغرض۔ جو فقراءِ کرام اس باطنی رازوں سے آشنا ہوتے ہیں۔ اور اِس بارِ امانت سے سرفراز ہوئے ہوتے ہیں وہ بہت ہی معتبر ہستیاں ہوتے ہیں ایسے لوگوں کو دیکھنا اور ان کی ملاقات کو جانا اور ان کی صحبت میں رہنا سب عبادت ہے۔ جن حضرات کو ایسے لوگوں کی صحبت نصیب ہوئی ہو وہ بہت ہی خوش قسمت والے ہیں ایسے اللہ والوں ہی کے متعلق اللہ پاک کا فرمان ہے کہ "وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوۃِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ"۔ اُن سے موافقت رکھو۔ اُن سے ملاقات کرو۔ اور صبر کے ساتھ اُن کی صحبت اختیار کرو۔

فقراءِ کرام کی گفتگو اور "حمد و کلام" بھی اپنی جگہ ایک با اثر اور پُر لطف طریقہ ہوا کرتی ہے۔ ہر سلسلے میں "حمد و کلام" اور رُباعی کا ادا کرنا اور "نعرہ بلند" کرنا یہ سب اپنی ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔ خاص کر شام کی اور صبح سویرے کی رباعی بہت ہی پُر کشش ہوا کرتی ہے انکے بول اور ان کی ادائیگی بہت ہی پُر اثر ہوا کرتی ہے فقراءِ کرام کی مجلس میں بیٹھتے ہیں تو دل کو سکون ملتا ہے اور دُنیا کو بُھول جاتے ہیں۔ اِن کا "حمد و کلام" اور "رباعی" کو پُر لطف آواز میں ادا کرنا عجیب کشش رکھتا ہے۔ ہر فقیری سلسلے کا "سلام و پیام" بھی جُدا جُدا ہوا کرتا ہے۔ جیسے شاہ رفاعی سلسلے میں سلام اس طرح ادا کرتے ہیں۔ "عشق اللہ فقر اللہ" اور جواب میں "سدا راعشق" کہا کرتے ہیں۔ فقراء کا "میل برتاؤ" اور "راز و نیاز" کی گفتگو بڑی ہی معنیٰ خیز ہوا کرتی ہے۔ ہر لفظ میں کئی راز پوشیدہ رہتے ہیں۔

ہر سلسلے کے "کرتب" اور "ضربات" علیحدہ علیحدہ ہوا کرتے ہیں شاہ رفاعی ہی کو دیکھیں اس میں بہت ہی عجیب اور پُر خوف "ضربات" ہوا کرتے ہیں۔ روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت سیّد سلطان احمد الکبیر معشوق اللہ رفاعیؒ کے زمانے میں بھی آپؒ کے فقراء اُونچے اُونچے درختوں کے اوپر سے کُود دیا کرتے تھے۔ زندہ سانپوں کو نگل کر دوبارہ اُوگل کر نکال دیتے تھے۔ گرز اور سلاخوں سے اپنے جسم پر خوف ناک اور حیرت انگیز ضربات ..... لگاتے تھے۔ اس سلسلے کا ایک بہت ہی مشہور اور بہت ہی حیرت انگیز ضرب "کلمہ کی اُنگلی والا ضرب ہے"

یہ ضرب کسی خاص موقع پر جب فقراءِ کرام کی جماعت، دف بجاتے بجاتے اور "رمتے رمتے جھومتے جھومتے" عجیب بخودی کے عالم میں ہوا کرتے ہیں۔ اور ایسے موقع پر باطنی قوت

رکھنے والے فقراء وہ بھی "دف" کی تال پر رہتے رہتے اپنی کلمہ کی انگلی پر کچھ پڑھ کر دم کرلے کر اسی انگلی کو اپنے گردن کے اطراف پھیرلے کر اپنی منڈی کو اپنے جسم سے جدا کر کے اپنے ہاتھ پر لے لیا کرتے اور رہتے ہی رہتے اور پھر سے اس منڈی کو اپنے جسم میں پہلے کی طرح لگا لیا کرتے۔ اس زمانے سے بھی شاہ رفاعی میں یہ ضربات چلے آرہے ہیں۔ آج کل کے دور میں بھی فقراء یہ ضربات لگاتے ہیں، لیکن ان میں حقیقی اور صفائی دونوں شامل ہیں اور کلمہ کی انگلی والا ضرب تو دیکھنے کو نہیں ملتا کہتے ہیں کہ حضرت حیدر علی اور حضرت ٹیپو سلطان شہیدؒ کے زمانے میں شاہ رفاعی میں ایک بزرگ رہا کرتے تھے جو بصرہ (عراق) سے اپنے خاندان اور فقراء کرام کے ساتھ ہجرت کر کے جنوبی ہند آگئے تھے۔ آپ نے ایک مرتبہ حضرت ٹیپو سلطان شہیدؒ کے روبرو یہ کلمہ کی انگلی والا ضرب لگایا تھا۔ آپ کا نام حضرت سید ظہور الدین شاہ رفاعی تھا۔ آپ کا مزار مبارک بمقام چن پٹن "آستانۂ غوث الرفاعیہ" میں آج بھی موجود ہے (واللہ عالم بالخیر)

لیجئے اصل مقصد کی طرف آجاتے ہیں۔ فقراء کرام کی مجالسیں بہت ہی پر رونق اور دلکش ہوا کرتی ہیں۔ ان کا رہن سہن اور ان کے طور طریقے عجیب ہی کیوں نہ لگیں، لیکن ان کی صحبت میں بیٹھنا اور ان کی گفتگو کو سننے میں بڑا ہی لطف و سکون ملتا ہے۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "اَلْوَسِیْلَۃُ اِلَی اللّٰہِ التَّقَرُّبُ اِلَی الْفُقَرَاءِ" "اللہ پاک کا وسیلہ فقراء کی قربت میں ملتا ہے" آپؐ نے اور بھی فرمایا کہ میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں جس کی بھی ان میں سے پیروی کروگے ہدایت پا جاؤگے۔ "مَنْ بَعْدَ وَاَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ" اور یہ بھی فرمایا "لِکُلِّ شَیْءٍ مِفْتَاحٌ وَمِفْتَاحُ الْجَنَّۃِ حُبُّ الْفُقَرَاءِ" "ہر شئے کو کھولنے والی ایک چابی ہوا کرتی ہے سو جنت کو کھولنے والی چابی فقراء کی محبت ہے"۔

ایک موقعہ پر اصحاب اور یاروں نے رسول اللہؐ سے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ وہ کونسی اچھی چیز ہے جس سے دنیا اور آخرت میں قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ اور

وہ کونسی بُری چیز ہے جس کے ذریعے دُنیا اور عاقبت میں خدا تعالیٰ سے دُوری حاصل ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "معرفت الٰہی اور فقیروں کا دوست رکھنا یہ دونوں نعمتیں دونوں جہاں میں سرفرازی کا اور فخر کا باعث ہیں۔ اور دُنیا کی طرف نہ دیکھے۔ لیکن حقارت کی نظر سے کیونکہ یہ شیطان کی مطیع ہیں"

حُضور پُرنور نے فرمایا۔ مال میرا ہے۔ غنی وبال میں ہیں فقراء بمنزلہ میرے عیال ہیں اور جو اُن پر خرچ کیا اس کیلئے جنّت ہے۔ اور جس نے میرا مال میرے عیال پر خرچ نہ کیا اس کیلئے دوزخ ہے۔ نیز آپؐ نے فرمایا۔ "اَلْفَقِیْرُ الصَّابِرُ خَیْرٌ مِنْ غَنِیِّ الشَّاکِرِ۔ یعنی صابر فقیر، شاکر مالدار سے بہتر ہے"۔

فقیر اور فقراء کے متعلق قرآنِ پاک و احادیث شریف میں بہت کچھ موجود ہے اور فقیر کی تعریف بھی کی گئی ہے۔ اور یہ بھی بتلا گیا ہے کہ اصل فقیر کون ہے اور کیسا رہتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ کیوں نہ تعریف ہو۔ اصل چیز تو فقیر ہی ہے لیکن اصل فقیر کی تلاش کرنا اور اس کو پہچاننا بڑا ہی مشکل ہے اور ایسا فقیر بھی بڑی مشکل ہی سے مل پاتا ہے۔ ایسے فقیر کی پہچانت کر کے اُس کی محبت میں ایک لمحہ بھی گذارنا کئی برسوں کی بے ریا عبادت سے بھی بہتر ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ ایسے فقراء کی صحبت میں رہنا اور ان کی مجلسوں میں شرکت کرنا گویا ایسا ہی ہوا کرتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کی مجلس میں رہے ہوں۔ کیونکہ فقراءِ کرام اللہ پاک کے دائرے میں ہوا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے بہت قریب اور اللہ والے ہوا کرتے ہیں۔

حدیث شریف میں آیا ہوا ہے کہ۔ "مَنْ کَانَ یُرِیْدُ اَنْ یَّجْلِسَ مَعَ اللّٰہِ فَلْیَجْلِسْ مَعَ اَھْلِ اللّٰہِ۔ یعنی جو کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیٹھنا چاہتا ہو، سو اُس کو چاہئے کہ وہ اللہ والوں کے ساتھ بیٹھے۔ اور فرمانِ خداوندی ہے کہ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ فقراء بند ہو گئے ہیں اللہ تعالیٰ کے دائرے میں بغیر کوئی غرض رکھے کے"۔

فقراءِ کرام کے متعلق آقائے نامدار سلطان الانبیاء حضور پُر نور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "حُبُّ الفُقَرَاءِ مِنْ اَخْلَاقُ الاَنْبِیَاءِ وَبُغْضُ الفُقَرَاءِ مِنْ اَخْلَاقِ الفِرْعَوْنَ" یعنی فقراء سے محبت رکھنا انبیاءؑ کی اخلاق ہے اور فقراء سے بغض یا نفرت رکھنا فرعون کی اخلاق ہے"

اللہ اللہ فقیر کی ذات کے متعلق اللہ اور رسولؐ کے کتنے فرمان آچکے ہیں۔ اور فقیر کے مرتبہ کو کتنا بلند اور بالا رکھا گیا ہے۔ یہ سب اس لئے کہ فقیر کی ذات ہی کچھ ایسی ہے کہ وہ اللہ اور رسولؐ کو بہت پسند ہے۔ اور اصل فقیر کے پاس اللہ و رسولؐ کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہوا کرتا۔

اب غور طلب بات یہ روبرو آتی ہے کہ ایک انسان اگر اپنی زندگی حق حلال میں گزار رہا ہو اور احکامات کا پابند بھی رہتا ہے تو اس کو فقیری کی کیا ضرورت ؟ ہاں ایک انسان اگر دُنیا بھی کرے اور مال و اسباب بھی کمائے اور دین بھی کریں اور مستحقوں۔ یتیموں اور نیک راہ میں خرچ کریں، اور یہ تصوّر کریں کہ وہ ٹھیک راہ پر ہے اور وہ یہ خیال کریں کہ جو کچھ بھی کمایا جا رہا ہے وہ دوسروں کی مدد کیلئے ہے تب بھی حقیقت میں اور تصوّف کی نظر میں وہ راہ پر نہیں ہے۔ کیونکہ قدرت کو چاہنے والا دُنیا کو کبھی نہیں چاہتا وہ تو دُنیا کو چھوڑ دین کے دائرے میں آجاتا ہے اس کو دُنیا سے کوئی غرض نہیں رہتی۔ کیونکہ تصوّف کے دائرے سے دین اور دُنیا دونوں کچھ ایسی دو علیٰحدہ چیزیں ہیں جو کبھی بھی ایک جگہ نہیں سما سکتیں۔ اگر حقیقت کو پانا ہے اور اُس ذات میں اپنے آپ کو فنا کرنا ہے تو دُنیا سے مکمل طور پر ہاتھ اُٹھانا ہی ہوتا ہے۔ ایک چیز کو مکمل طور پر چھوڑ کر ہی ایک چیز کو اپنانا حق ہوتا ہے اگر کوئی یہ کہیں کہ مجھے دین و دنیا دونوں سے محبت ہے تو حقیقت میں وہ غفلت میں ہے۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ مجھے دونوں چیزیں عطا ہوئے ہیں تو وہ بھی بھول ہی میں ہو گا، کیونکہ یہ دونوں ایسی چیزیں ہیں جو ایک جگہ بھی نہیں سما سکتے

سرورِ کائنات حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ مبارک ہے کہ:۔

"حُبُّ الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا لَا یَسَعُ فِیْ اِنَاءٍ وَاحِدٍ کَالنَّمَاءِ وَالنَّارِ فِیْ اِنَاءٍ وَاحِدٍ" یعنی دین اور دُنیا کی محبت ایک برتن میں نہیں سما سکتی، جس طرح آگ اور پانی ایک برتن میں سما نہیں سکتے"

اس کا مطلب یہی ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جدوجہد کرنے والے کو دنیا سے کسی قسم کی کوئی غرض نہیں رکھنی چاہیئے۔ اگر وہ بادشاہ ہے اور خود کو یہ سمجھ رہا ہے کہ وہ خلق کی خدمت کر رہا ہے تو یہ خدمت کے دائرے تک محدود ہوا، اگر وہ دائمی کامیابی چاہتا ہے اور باری تعالیٰ کے مقرب بندوں میں سے ہونا چاہتا ہے تو اس کو بادشاہی کو چھوڑ کر حق کی راہ میں فقیری کو اختیار کرنا ہوگا اور کامل رہبر کی رہبری میں راہ کو پاتے ہوئے جدوجہد کرنا ہوتا ہے۔ تب کہیں جا کر کچھ کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ اور وہ حقیقی منزل پر آجاتا ہے

فقیری میں داخل ہونے پر پیر و مرشد اس کو اصل عبادت میں لگانے کے ساتھ ساتھ اُس پر گہری توجہ بھی رکھے ہوئے ہوتے ہیں اور تقویٰ پرہیزگاری میں اس کے نفسیات کو مار کر عبادت و ریاضت کے ذریعے ایک نئی قوت اُس میں پیدا کر دیتے ہیں۔ اور وہ جہاں کہیں بھی رہیں اس پر برابر اپنی توجہ رکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ سب کچھ اُسی توجہ کے سبب اس کی ظاہری اور باطنی حالات میں تبدیلی آتی رہتی ہے اور وہ حقیقت کے رازوں سے آشنا ہوتا چلا جاتا ہے، اور وہ جیسے جیسے باطنی رازوں سے آشنا ہوتا جاتا ہے اُسکو اس منزل سے لذت حاصل ہوتی رہتی ہے اور دنیا خود بخود اس کی نظروں سے دُور ہونے لگ جاتی ہے اور وہ دُنیا کو دیکھتا ہے تو نفرت کی نظر سے اور وہ اس حقیقت سے بھی واقف ہوتا رہتا ہے کہ "دُنیا کا ترک کرنا بھی ایک بہت بڑی عبادت ہے" اور دُنیا کی چاہت میں پڑے رہنا سب خطاؤں کی جڑ ہے۔ اسی لئے فقیری کو اپنانے والے کو سب سے پہلے یہی تعلیم دی جاتی ہے کہ ترک الدنیا پر نظر رکھی جائے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ "تَرْکُ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ عِبَادَۃٍ وَحُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ" یعنی دُنیا کا ترک کرنا تمام عبادتوں کی اصل ہے اور دُنیا سے محبت

رکھنا تمام خطاؤں کی جڑ ہے" اس کا مطلب یہی ہوا کہ فقیری کو اپنانے والے کو سب سے پہلے "ترک الدنیا" کرنا ہوتا ہے اور پھر ذکر و اذکار، عبادت و ریاضت، مراقبہ و مشاہدہ۔ خفی و اخفی۔ ایسی ہی منازل کی طرف محنت و مشقت کرنی ہوتی ہے۔ ان منازل میں اور ان عبادتوں میں اتنی لذت و رغبت رکھنی ہوتی ہے کہ اس لذت کے روبرو ہر لذت بیکار ہی رہے اور ان کی محبت کے روبرو کوئی اور چیز مقام نہ بنا سکے۔ جب تک فقیر سے الفت اپنے آپ میں پیدا نہیں کرتا کامیابی کی امید رکھنا کوئی معنیٰ نہیں رکھتی۔ آقائے حضور پرنور ﷺ نے فرمایا۔ "لَذَّۃُ الْاَذْکَارِ خَیْرٌ مِنْ لَذَّتِ الْاَبْکَارِ" یعنی اذکار کی لذت بہت ہی بہتر ہے۔ کنواریوں کی لذت سے۔

جب تک فقیر اس منزل تک نہیں پہنچتا۔ اس کو حقیقت سے واقفت نہیں ہوتی پاتی۔ جب فقیر کے قدم اس منزل پر کامیابی کے ساتھ جم جاتے ہیں تو حق سبحانہ تعالےٰ دنیا سے مخاطب ہو کر دن رات میں کئی مرتبہ یہ آواز بلند کرتا ہے کہ "اے دنیا میرے دوستوں سے دور رہنا اور میرے دوستوں کو منہ نہ دکھانا جنہوں نے میری راہ لی ہے اور ان سے ہمیشہ کیلئے دور ہو جا"۔ معراج کی رات حق سبحانہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشخبری دی تھی کہ "اے میرے حبیب ﷺ دنیا میں نے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اہلِ بیت پر اور آپ ﷺ کے خاص امت پر حرام کر دی ہے۔ اسی وقت حق سبحانہ تعالیٰ نے دنیا کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا "اے دنیا میرے ان دوستوں کو منہ نہ دکھا جنہوں نے میری راہ لی ہیں"۔ جب یہ دنیا اور دنیاوی چیزیں قلب سے دور ہو جاتی ہیں تو دوسری باطنی چیزیں آکر اس جگہ قائم ہونے لگتی ہیں۔ قانونِ خداوندی بھی یہی ہے کہ جب ایک چیز نکلتی ہے تو اس جگہ دوسری چیز سما جاتی ہے۔ ایک چیز کو سمانا ہے تو دوسری چیز کو نکالنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ جب قلب سے دنیاوی چیزیں نکل جاتی ہیں تو اللہ رب العالمین ان کی جگہ فیض۔ فضل۔ عنایت، ہدایت۔ ذکر۔ فکر۔ وصال حضور اور ولایت جیسی نعمتوں کے خزانے بھر دیتا ہے۔ اور اس پر لطف و کرم کی بارش ہونے لگتی ہے

اور جس کسی میں ایسی نعمتیں پائی جاتی ہیں اس کا نام "فقیر" للکارا جاتا ہے۔ اُسی کو فقیر کہتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کا فقیر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا وہ اور کسی کا محتاج نہیں رہتا، بلکہ ہر شئے اس کی محتاج ہوا کرتی ہے۔ ایسے فقیر کے نام کا للکار دونوں جہاں میں مشہور ہوتی ہے۔ اس کو شاہوں کا شاہ، بادشاہوں کا بادشاہ کہا جاتا ہے اس کو خلافت سے سرفراز کر کے اس کو خلیفہ کہا جاتا ہے۔ ایسے خلیفے کے ذریعہ قدرت بڑے بڑے کام لیتی ہے اور اس کی ہر حرکت میں قدرت سمائی ہوئی ہوتی ہے اس کا کہنا۔ اس کا سُننا۔ اس کا چلنا سب قدرت سے ہوتا رہتا ہے۔ اس کی زبان قدرت کی تلوار بن جاتی ہے۔ وہ جو کہا وہی ہوا۔ "لِسَانُ الْفُقَرَاءِ سَيْفُ الرَّحْمٰنِ۔ فقراء کی زبان رحمٰن کی تلوار ہے"۔ اس کا مطلب یہی ہوا کہ فقیر جو کچھ بھی اپنی زبان سے کہہ دیتا ہے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ بالکل ہو جاتا ہے۔ دُنیا والے فقیر کی ذات کو نہیں سمجھ سکتے۔ ان کی نظروں میں وہ قوت نہیں ہوا کرتی کہ وہ فقیر کی ذات کو دیکھ سکے اور سمجھ سکے۔ اہل دُنیا پر تو یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ فقراء سے محبت رکھیں۔ اُن کو چاہیں۔ اُن کا ادب و لحاظ کریں۔ اور ان کی خدمت بغیر کسی غرض رکھے کے کیا کریں۔ یہ سب ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ وہ قدرت کے حق میں ادا کر رہے ہیں۔ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: "حُبُّ الْفُقَرَاءِ حُبُّ الرَّحْمَانِ۔ فقراء کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت ہے" نیز فرمان ہے کہ: "حُبُّ الْفُقَرَاءِ ضِيَاءُ الدِّيْنِ۔ فقیروں کی محبت دین کی روشنی ہے"۔

رسُول خدا پُر نور ﷺ نے یہ بھی فرمایا۔ اگر فقراء نہ ہوتے تو دُنیا میں کوئی غنی یا مالدار ہرگز نہ ہوتا۔ اور فقراء نہ ہوتے تو اہلِ دُنیا نیست و نابود ہو جاتے.....

"لَوْلَا الْفُقَرَاءِ هَلَكَ الْاَغْنِيَاءِ۔ لَوْلَا الْفُقَرَاءِ بَرِصَ الْاَغْنِيَاءَ۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ اگر فقراء نہ ہوتے تو غنی ہلاک ہو جاتے اور فقراء نہ ہوتے تو تمام اہل دُنیا نیست و نابود ہو جاتے...

فقیر کے درجات و مراتب اور ان کے پوشیدہ منازل کو حاصل کرنا ہے

اور ان کی حقیقی لذت پانا ہے تو فوراً کامل مرشد کی تلاش کریں۔ اور اس کو اپنا راہبر و رفیق بنائیں تاکہ شیطانی معصیت سے بچائے اور وجود میں معرفتِ الٰہی کی لذت ہوتی ہے۔ اس سے روح کو راحت حاصل ہوتی ہے۔ اور نفس مردہ ہو جاتا ہے یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ اس کو زیادہ علم پڑھ کر ہی نہیں بلکہ جتنا علم حاصل ہے اس پر ہی عمل کر کے پایا جا سکتا ہے۔ گناہوں سے نکلنا۔ پرہیزگاری و تقویٰ کرنا۔ تقوٰ اللہ، اللہ سے ڈرنا" مرشد کی طلب کرنا۔ اور اس کو راہِ راست پر لانے اور ان کو گمراہی سے بچانے کا وسیلہ بنانا۔ یہی تو وہ افضل چیزیں ہیں جو فرض عین ہیں۔

فقیر کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی شئے اس کی ملک ہوتی ہے۔ وہ تو سوائے ذات کے کسی اور کی چاہت نہیں رکھتا۔ اس کا دل ہر میل سے پاک ہوتا ہے۔ ہر ایک کیلئے اس کا سینہ صحیح و سالم ہوتا ہے۔ اُس کے قریب اللہ کے بندے سب یکساں ہوتے ہیں۔ اس کی نظر میں نہ ہی کوئی اپنا ہے اور نہ کوئی پرایا۔ اُس کے پاس مذہب کا کوئی پردہ نہیں ہوتا وہ ہر مذہب پر یکساں کی نظر رکھتا ہے اور اس کی نظر میں ہر مذہب والے اللہ تعالیٰ کے ہی بندے ہیں۔ اس کا دل ہر ایک سے برابر محبت رکھتا ہے۔

فقیر اپنی تنہائی میں لذت حاصل کرتا ہے اور خلقت سے دُور رہ کر ہی وہ سکون پاتا ہے۔ فقیر کیلئے یہ مناسب ہے کہ پاکدامنی کا لباس پہنے۔ قناعت سے مزین ہو، یہاں تک کہ ذاتِ مطلق تک پہنچنے صدق کے قدم سے قرب کے دروازے کا طالب ہو وہ ایسا ہے کہ ہمیشہ دنیا اور آخرت۔ مخلوق اور وجود سے بھاگتا رہے۔ زندگی اور موت سے وہ ہر آن کھیلتا رہتا ہے۔ اور زندگی اور موت کے راز سے وہ بہت خوب واقف رہتا ہے۔ خدائے تعالیٰ کی شفقت۔ مہربانی شوق و رحمت ہمیشہ اس کے طرف متوجہ رہتی ہے۔ اُس کے جذبات۔ نظریات۔ مباہات۔ عالم کے پاک ارواح کے لشکر ہمیشہ اس کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ اور فقیر کی ترقی ذاتِ واحدت

تک پہنچتی ہے۔ فقیر کا دل اور اس کا باطنی ہر نو پیدا چیزوں سے فارغ اور صاف رہتا ہے۔ اور فقیر کا وجود ہر حالات کے موافق ہوا کرتا ہے اور ایک حالت سے دوسری حالت تک منتقل اور پرواز کرنا اس کے لئے آسان ہے۔ جب وہ ایک آسمان پر جاتا ہے تو وہاں کے حالات کے موافق ہو جاتا ہے۔ اور جب وہ دوسرے پر جاتا ہے تو وہاں کے موافق ہر رنگ میں رنگتا چلا جاتا ہے۔ یہ فقیر کا ادنیٰ کمال ہے کہ وہ جس منزل و مقام پر جاتا ہے اس مقام کے حال و خال میں ڈھل جاتا ہے۔

فقیر کی ابتدائی زندگی اہل و عیال میں گزر سکتی ہے۔ دُنیا میں رہتے ہوئے بھی وہ دُنیا سے بہت دور اور کنارہ کشی کی سعی میں مصروف رہتا ہے۔ فقیر کا زیور اس کا حال و وسلا ہوتا ہے فقیر ایک حد تک اپنی ضروریات کے چیزیں اپنے پاس رکھ سکتا ہے مثلاً چادر، کنگی، تیل، آئنہ، سرمہ، خوشبو، سوئی تاگا، لوٹا اور رسّی گودڑی، دف، کچلول، کنٹھا، تبر، تسبیح، مصلّہ، عصا وغیرہ۔ فقیر مسافر ہے مقیم نہیں۔ یہ گاؤں گاؤں کا سفر کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے دین کو پھیلاتا ہے اور لوگوں کو اللہ کی راہ کی طرف آنے کی دعوت دیتا ہے اور دین کے اچھے اچھے باتیں لوگوں کو سناتا ہے۔ فقیر کا اپنا کوئی وطن نہیں وہ جہاں رہتا ہے وہی اسکا شہر ہے۔ فرمانِ خداوندی ہے کہ "لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ" یعنی فقراء ترک الوطن ہیں لیکن ہاں اپنے انتہائی مقام میں فقیر صرف تنہا ہی رہتا ہے اس کے نہ کوئی اہل و عیال ہیں اور نہ ہی کوئی دوست و اقارب۔ انتہائی منزل میں یہ مقیم ہو جاتا ہے اور تنہائی میں رہ کر ہی کل عالم کی خبر رکھتا ہے فقیر کی آنکھوں سے کوئی چیز چھپی نہیں رہتی وہ ہر چیز کو عیاں دیکھتا ہے اس کی نظروں سے کوئی شئے کا پردہ نہیں کل عالم اس کا ملک ہوتا ہے۔ یہ جہاں رہ گیا وہی اس کا مقام رہتا ہے۔ فقیر اپنے آپ کو ایسا تصور کرتا ہے کہ نہ یہ کسی سے پیدا ہوا ہے اور نہ ہی اس سے کوئی پیدا ہوا ہے

فقیر پر دُنیاوی چیزیں حرام ہوتی ہیں۔ انتہائی مقام پر یہ اپنے پاس کوئی چیز نہیں رکھ سکتا۔ نہ ہی چادر، کنگی، تیل، سرمہ، خوشبو، سوئی تاگا کنٹھا تسبیح، مصلّہ۔ گوڈری نہ ہی دف نہ ہی عصاء وغیرہ۔ ہاں اپنے پاس صرف کشکول یا کچکول رکھ سکتا ہے۔ اور ایک منزل کے بعد یہ بھی نہیں۔

فقیر تین طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ اس کے پاس مال نہ ہو لیکن وہ مال حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ ایسے فقیر کو "حریص فقیر" کہتے ہیں۔ ایسے ہی فقیر کی نسبت آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ "یَتْرُکُ الدُّنْیَا لِلدُّنْیَا" دُنیا کو دُنیا کی خاطر چھوڑتا ہے، دوسرے یہ کہ دُنیا کو طلب تو کرتا ہے لیکن جب اس کو کچھ دیا جاتا ہے تو وہ نہیں لیتا ایسے فقیر کو "زاہد فقیر" کہتے ہیں۔ تیسرے وہ جو نہ طلب کرے نہ رد کرے مل جائے تو بھی حاصل کرلے اور خلق میں تقسیم کرکے خوشی محسوس کرے اور نہ ملنے پر کوئی غم نہیں۔ ایسے فقیر کو "قانع فقیر" کہتے ہیں۔ سچّا فقیر تو وہ ہے جو ہر طرح کی "انا" کو ترک کر دیتا ہے وہ کبھی بھی میرا میری جان یا میری ملکیت کے الفاظ نہیں بیان کرتا۔ جیسے جیسے فقیر اپنے انتہائی منزل کی طرف پرواز کرتا رہتا ہے اس کے اندر ایک عجیب قوت پیدا ہوتی رہتی ہے اور وہ اپنے آپ میں ہر آن ایک نئی شان پاتا ہے اور آن میں وہ مکان سے لامکان اور لامکان سے مکان کی سیر کیا کرتا ہے۔ جب یہ سب کچھ چھوڑ دیتا ہے تو حقیقت میں سب کچھ اس کا ہی ہو کے رہ جاتا ہے۔ نہ تو میرا کہنے کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ ہی کہہ کر کسی کو دکھلانا ہوتا ہے جو اللہ کا ہو گیا ہر شئے اس کی ہو گئی

"مَنْ لَہُ الْمَوْلیٰ فَلَہُ الْکُلّ۔ جس کا مولیٰ ہے اُس کا سب کچھ ہے۔"

لَیْسَ فِی الْوُجُوْدِ سِوَی اللّٰہ۔ میرے وجود میں سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں"

آقائے نامدار دو عالم کے سردار انبیاء سرورِ کائنات حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ فقراء و مساکین کے حق میں دعائیں کیا کرتے،

ایک جنگ کے موقع پر فقراء و مساکین کے وسیلہ سے کامیابی کی دعا کی تھی آپؐ کی دعاؤں میں سے اکثر یہ دعا بھی ہوا کرتی تھی۔ "اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّ اَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّ احْشُرْنِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسٰکِیْنَ۔" اے میرے معبود مجھے بحالت مسکین زندہ رکھ، بحالتِ مسکین مار اور قیامت کے دن مجھے مساکین کے زمرے میں اُٹھا"

اللہ اللہ آقائے دو جہاںؐ کی دعا فقراء اور مساکین کے حق میں کتنی گہری اور پُر اثر ہے اِس دعا سے آپؐ کی محبت و شفقت جو فقراء کے حق میں بھی موجود ہے اس کا اندازہ بہت خوب روشن ہوتا ہے۔ اے دُنیا کو چاہنے والے کہاں تک اس مُردہ دُنیا کے پیچھے دوڑے گا، چھوڑ دے اس فانی دُنیا کو، کرلے کنارہ لے لے فقیری اور پالے راز کیا ہے فقیری میں آکر ہی فقیری کی لذت کو پا سکیگا۔ یہی وہ مقام ہے جو ہر مقام سے آخری ہے۔ جب تک اس منزل پر نہ آئے گا زندگی مکمل نہیں ہوگی۔ زندگی کو کامیاب بنانے کیلئے یہی ایک منزلِ مقصود ہے۔ اپنالے فقیری اور دیکھ لے حقیقت کیا ہے۔ کب تک نفسانی جکڑ بندیوں میں پڑا رہے گا۔ ان سب سے آزاد ہو جا۔ ان عنصری قید کی زنجیروں کو توڑ کر پکڑ لے اللہ کی راہ اور خدا کی راہ کی طرف دوڑ۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "فِفِرُّوْا اِلَی اللّٰہِ۔ دوڑ خدا کی طرف"۔ سیم و زر کے خیال میں کب تک پڑا رہے گا۔ سونے چاندی۔ دھن دولت سے کب تک دل کو لگائے بیٹھے گا۔ یہ سب چیزیں کسی کام کی نہیں۔ کیا تُو نے نہیں دیکھا کہ کیسے کیسے بادشاہوں کا آج نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ اُن کے محلات اُن کی شاہانہ زندگی آج ویران ہیں۔ اور مٹی میں مل گئی ہیں ان کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ دنیا تو شیطان کی مطمع ہے اس سے دل لگانے سے کیا حاصل۔ شیطان ہی ہے جو فقیری میں آنے سے روکتا ہے اور بے حیا کاموں کی طرف لئے جاتا ہے۔ شیطان کے بہکاوے میں نہ آجانا۔

اللہ پاک کا فرمان ہے کہ "اَلشَّیْطَانُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ" شیطان ہی ہے جو تمہیں فقر کی طرف جانے سے روکتا ہے اور فحشا کاموں کا حکم کرتا رہتا ہے۔

دُنیا اور دُنیا کے نت نئے چیزوں میں اپنا دل لگائے رکھنے سے کیا حاصل یہ چیزیں کس کام کی، نکل جا اس فانی دُنیا سے یہ کسی کی منزلِ مقصود نہیں ہیں، جو وہاں وعدہ کر کے آیا ہے اُس وعدے کو یاد کر۔ مولا کی طلب سے بڑھ کر اور کوئی منزل نہیں جس کا مولا ہے اُسکا سب کچھ ہے۔ جس قلب میں ایسی کیفیتیں پیدا ہو جاتی ہیں وہ قلب، قلب نہیں عرش اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔ "مَنْ لَهُ مَوْلٰى فَلَهُ الْكُلُّ۔ جس کا مولا اس کا سب کچھ۔ ایسا دل ایسے خیالات اور ایسا عمل رکھنے والا ہی آزاد و بے پروا۔ فقیر کہلاتا ہے اُس کے دِل میں اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں رہتا۔ وہ ہمیشہ آخرت پر نظر رکھتا ہے اور ہمیشہ ذکرِ الٰہی میں لگا رہتا ہے۔ "اَجْسَادُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَقُلُوْبُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ۔ اُن کے جسم تو دُنیا میں ہیں لیکن ان کے دل آخرت میں ہیں۔ اور انہیں لذتِ اذکار اور لذت تفکر سے کوئی چیز ایک لمحہ کیلئے بھی غافل نہیں رکھ سکتی۔ چاہیئے وہ کھڑے رہیں یا بیٹھے رہیں یا لیٹے رہیں۔ ہر حالت میں وہ مولیٰ کے قریب رہتے ہیں۔ "لَا يَشْغَلُهُمْ شَيْءٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ طَرْفَةَ الْعَيْنِ۔ اِن کو کوئی چیز گھڑی بھر کے لئے بھی یادِ الٰہی سے نہیں روک سکتی" اصل فقیر ہر حال اور ہر حالت میں اللہ پاک سے لو لگائے رہتا ہے۔ چاہے وہ بھوکا رہے چاہے وہ ننگا رہے۔ ہر حال و قال میں مست رہتا ہے "وَاِذَا جَاءَ الْعُرْيَانُ تَلَذَّذَ فِي ذِكْرِ اللّٰهِ۔ اور جب بھوکا ہووے اللہ کو یاد کرے اور جب ننگا ہووے تو ذکر کرے تاکہ اُسے ذکرِ الٰہی میں لذت آوے۔

فقیر کی طلب میں نہ دنیا ہوتی ہے اور نہ ہی وہ اس میں رہتا ہے۔ فقیر ہمیشہ کم بولتا ہے کیونکہ زیادہ گوئی بھی غفلت اور خرابی کا باعث ہوتی کیونکہ لوگوں کی طرف متوجہ ہونا یادِ الٰہی سے غافل رہنا ہوتا ہے فقیر ہمیشہ تنہائی پسند کرتا ہے اور تنہائی میں رہتا ہے کامل فقیر اگر عوام الناس میں بیٹھنا پڑے تو وہ بیٹھا ہوا بھی ہے اور باتیں بھی کرتا ہے تو اسکا قلب اور توجہ باطن میں اور حضوری میں لگا رہتا ہے۔ اور اسکی نظر ہمیشہ قدرت پر لگی رہتی ہے۔ دُنیا اور نہ ہی عقبیٰ اسکی توجہ کو بدل سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں بھی اسکے لئے حرام ہیں۔ اُسکا قلب عرشوں کے اوپر رہتا ہے اور مولیٰ کی طلب میں لگا رہتا ہے اور فقراء صرف دیدارِ الٰہی ہی سے مطمئن ہوتے ہیں۔ نبیِ اکرم رحمت اللعلمینؐ کا ارشادِ مبارک ہے کہ "اَلدُّنْيَا حَرَامٌ عَلٰى اَهْلِ الْعُقْبٰى وَالْعُقْبٰى حَرَامٌ عَلٰى اَهْلِ دُنْيَا۔ وَالدُّنْيَا وَالْعُقْبٰى حَرَامٌ عَلٰى طَالِبِ الْمَوْلٰى۔" اہلِ عقبیٰ پر

دنیا حرام ہے اور اہلِ دنیا پر عقبیٰ حرام ہے دُنیا اور عقبیٰ دونوں طالب المولیٰ پر حرام ہیں۔

فرمانِ خداوندی ہے کہ "اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۲۲۔ المجادلۃ)

یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا گروہ ہیں خوب سُن لو کہ یہی گروہ فلاح پانے والا ہے۔

فرمایا حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے "حُبُّ الْفُقَرَاءِ ضِيَاءُ الدِّيْنِ۔ اَلْفُقَرَاءُ ضِيَاءُ الثَّقَلَيْنِ" فقراء کی محبت دین کی روشنی ہے فقراء دونوں جہاں کی روشنی ہیں۔

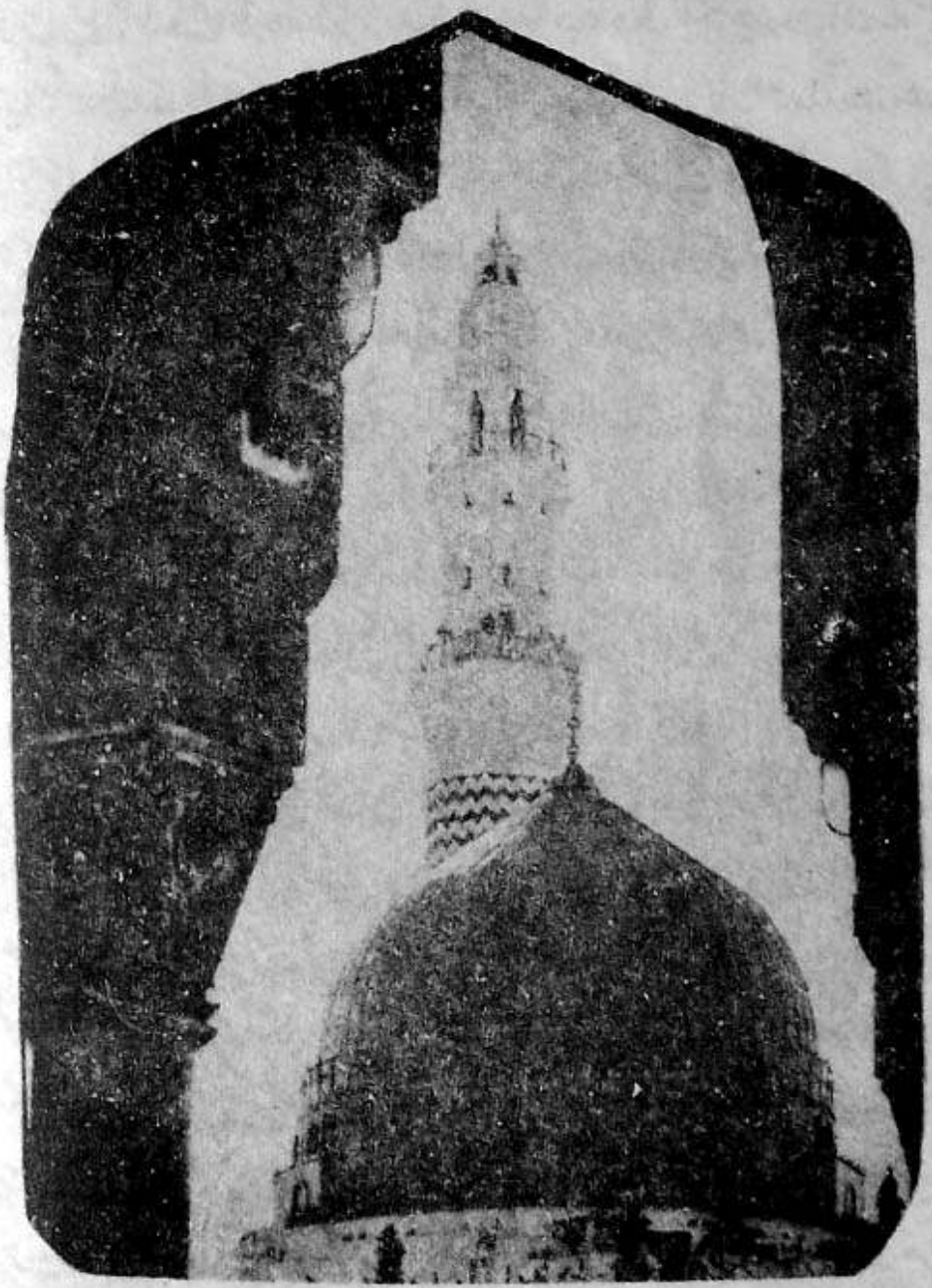

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْفَقْر

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اَلْفَقْرُ فَخْرِی وَالْفَقْرُ مِنِّی

فرمائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:۔ فقر پر مجھے ناز (فخر) ہے کیونکہ فقر مجھ سے ہے۔

الفقر پر ناز فرمائے ہیں محبوبِ خدا حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور فرمایا ہے کہ یہ مجھ سے ہے۔ اتنی محبت والفت آپؐ نے فقر کو خود آپؐ سے کہا ہے۔

آیئے اس کی گہرائی میں جاکر دیکھیں کہ الفقر آخر وہ کونسی منزل ہے۔ جس پر آقائے دوعالم حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناز فرمائے ہیں:۔

تصوّف میں ڈوب کر بہت سے بزرگانِ دین نے "اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ وَالْفَقْرُ مِنِّیْ" کا معنیٰ ایسا بھی کیا ہے کہ "فقیر پر مجھے ناز ہے کیونکہ فقیر مجھ سے ہے" یہ معنیٰ اسلئے کیونکہ فقر کی منزل تک پہنچنا ہے تو صرف فقیری اور فقیر سے ہی ممکن ہے۔ اس لئے فقر کا معنیٰ فقیر سے بھی لئے ہیں۔ لیکن عرفان اور تصوّف ایک بہت ہی عجیب منازل ہیں۔ اِن کی گہرائی میں ڈوب کر "فقیر" اور "فقر" کو ایک کے مقابل ایک کو رکھ کر دیکھیں تو ایک بہت ہی گہرا فرق پایا جاتا ہے۔ شکل میں دونوں ایک رہنے کے باوجود "فقیر" کے وجود کے نیچے دو نقطے لگے ہوئے ہیں۔ اور "فقر" کا وجود ان نقطوں سے پاک ہے اور اپنے وجود میں خود بڑی قدرت رکھتا ہے۔

فقیر کے وجود کے نیچے جو دو نقطے لگے ہوئے ہیں یہ دنیا کی طرف اشارہ

کرتے ہیں۔ فقیر جب تک تصوّف سے واقف ہو کر جدوجہد کر کے مجاہدہ و مشاہدہ کر کے ان نیچے کے دو نقطوں پر قدرت حاصل نہیں کر لیتا اور انہیں "نہیں" کے مقام تک نہیں لاتا۔ اور انہیں مٹا نہیں دیتا کبھی بھی اپنی اصل منزل و مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔ جب فقیر اس مشق میں لگا رہتا ہے کہ اس کے نیچے لگے ہوئے دو نقطے مٹ جائیں تو اس کو ترک الدنیا کرنا ضروری ہوتا ہے اور جب تک کم کھا۔ کم بول۔ کم سو اور خلقت سے کنارہ لے والے منازل کو طے نہیں کر لیتا اور ان پر اپنا مکمل اختیار نہیں رکھ لیتا ان نقطوں کو مٹانا مشکل ہی ہوتا ہے۔ اور قلب کو ما سوائے اللہ کے ہر خطرات سے پاک رکھنا ہوتا ہے۔ اس کی خوراک مجاہدہ، مشاہدہ اور خواب حضور کا استغراق ہوا کرتا ہے۔ یہ سب چیزیں صرف ذکرِ الٰہی اور علمِ تصوف سے ہی ممکن ہوا کرتی ہیں۔ جب فقیر کے قلب میں اسمِ اللہ جاری ہو جائے اور قرار پکڑ جائے ایسے فقیر کو علمِ لدنی حاصل ہوتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جو بہت اعلیٰ ہے۔

فرمانِ خداوندی ہے کہ "وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا" اس کو ہم نے اپنے پاس سے علمِ لدنی سکھایا ہے" علم لدنی کو لے کر تصوّف کے میدان میں عمل کرنا ہوتا ہے۔ ورنہ کوئی عمل، عمل نہیں رہتا۔ اور نہ ہی وہ عمل با اثر ہوا کرتا ہے۔ حقیقت کے تیر لیکر ہی شکار کرنا پڑتا ہے ورنہ نقطے، نقطے کی جگہ ہی قائم رہتے ہیں۔ جو ظاہر میں اہلِ علوم ہیں وہ معرفت اور استغراقِ باطنی کے ذکر و فکر سے محروم ہیں۔ اور یہ بھی حقیقت ہی ہے کہ بغیر وسیلے کے یہ فضیلت عطا نہیں ہوتی اور نہ ہی اُس کی کوئی منزل ہوتی ہے کیونکہ فضیلت قضا تک پہنچاتی ہے۔ اور وسیلہ رضا تک پہنچاتا ہے۔ جو آگے چل کر فقر کی منزل کی راہ پر سیدھے لگتا ہے اور اہلِ تصوّف خوب جانتے ہیں کہ قضا اور رضا میں کتنا گہرا فرق پایا جاتا ہے۔

فقیر کا دم قدم ربِ جلیل کی توحید میں لگا رہتا ہے۔ علماء اگرچہ صاحبِ علوم ہوتے ہیں لیکن راہِ معرفت سے محروم رہتے ہیں۔ جو فقیر

علم معرفت سے فقر کی راہ چلتا ہے تو اس کا نفس مرا ہوا ہوتا ہے کیونکہ وہ اس راہ کی کامیابی کیلئے اپنے خواہشات اور نفسوں کو قربان کر چکا ہوا ہوتا ہے۔ "قَتْلِ مُؤْذِیْ قَبْلَ الْاِیْذَیٰ" حکم بھی کچھ ایسا ہی ہے کہ تکلیف دینے والی چیز کو پہلے ہی ختم کر دینا ضروری اور جائز ہے اور جب تک "قَتْلِ مُؤْذِیْ قَبْلَ الْاِیْذَیٰ" پر کام نہیں ہوتا۔ نیچے کے دو نقطوں کو مٹانا بہت مشکل ہے اور جیسا جیسا نیچے کے نقطے مٹنے لگتے ہیں یا بند ہونے لگتے ہیں فقیر کی حالات میں بھی تبدیلی آنی شروع ہو جاتی ہے اور وہ فقر کے دائرے میں داخل ہونے لگ جاتا ہے اور حقیقتاً جب فقیر فقر کے دائرے میں شامل ہوتا جاتا ہے تو اس سے کئی عجیب و غریب چیزیں ظاہر ہونے لگ جاتی ہیں۔ اور یہ دل میں جو کچھ بھی سوچتا ہے اکثر وہی ہو جاتا ہے اگر یہ کسی سواری کو دیکھتا ہے اور اسکے دل میں یہ بات پیدا ہو جائے کہ یہ سواری حادثے کا شکار ہو جائے گی تو وہ ضرور حادثے کا شکار ہو جائے گی۔ اگر یہ کسی کو دیکھ کر یہ خیال کریں کہ اب اس کی موت آچکی ہے تو واقعی وہ مر جائیگا۔ اس منزل پر رہنے والا فقیر اگر کسی بدنصیب پر نظر کریں اور توجہ دیں تو اسکی نصیب جاگ جائے گی۔ اگر یہ اڑتے پرندہ کو دیکھ کر یہ خیال کرے کہ اسکو نیچے گرنا ہے تو وہ فوراً گر جائے گا وغیرہ۔ اسی لئے اس منزل پر رہنے والے کو اپنے قلب میں کوئی ایسے ویسے خیالات نہیں لانا چاہیئے۔ بلکہ ہمیشہ اچھے خیالات ہی رکھنا چاہیئے۔ اس مقام پر رہنے والا فقیر ہمیشہ خاموش اور خلقت سے دور ہی رہتا ہے۔ اور زبان کو ہمیشہ بند ہی رکھتا ہے۔ ایسے فقیر صاحبِ معرفت اور اہلِ توفیق ہوا کرتے ہیں۔ ان کا ذکر و فکر ہمیشہ "مَنْ عَرَفَ" پر ہی رہتا ہے کیونکہ منزل کی ابتداء اور انتہاء دونوں وجود ہی میں ہوا کرتے ہیں۔ فقیر جیسے جیسے اپنے آپ کو جاننے اور پہچاننے لگ جاتا ہے ویسے ویسے اس کو اپنے رب کی پہچان ہونے لگتی ہے۔ کیونکہ رب ہی سے ربّ کو دیکھا جا سکتا ہے اس لئے پہلے خود کو ربّ کی پہچان بہت ضروری ہے "رَاَیْتُ رَبِّیْ بِرَبِّیْ۔ میں نے اپنے ربّ سے ربّ کو دیکھا۔ یہی وہ منزل ہے۔ اپنے آپ کی پہچانت کے لئے راہبر کے تصوّر کو قائم رکھنا بہت ضروری ہوتا ہے اور تصوّر ہی منزل کو کامیابی تک پہنچاتا ہے۔ اور فقیر اپنے فقر

کی منزل کی طرف آگے بڑھنے لگتا ہے۔ "مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ" اپنے نفسوں کو یا اپنے آپ کو پہچاننا ہی حقیقت ہوا کرتی ہے۔ اِسی راہ سے "مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ" کی منزل ملا کرتی ہے۔ "جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا تحقیق اس نے اپنے رب کو پہچان لیا"۔ یہی وہ منزل ہے جو ٹھیک راہ پر ہوتی ہے اور مقام فقر کی جانب پہلا قدم ہے۔ فقیر اس راہ میں کہاں تک ثابت قدم ہے اور کہاں تک کامیاب ہوا ہے۔ یہ معلوم کرنے کے لئے گاہِ گاہِ اپنے آپ کا جائزہ لیتے رہنا چاہیئے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر واقعی اس کا دل دُنیا سے بیزار ہے اور تنہائی سے لذت پاتا ہے تو یہ بہتر ہے کیونکہ تنہائی ہی میں راز کی باتیں ہوا کرتی ہیں۔ اس کا دل تنہائی میں بھی گفتگو کرتا رہتا ہے، جو اپنے آپ میں ہوتی رہتی ہیں۔ یہ خاموش رہنے کے باوجود اس کی زبان بند رہنے کے باوجود کہنے والا اور سُننے والا دونوں برابر محوِ گفتگو رہتے ہیں۔ یہی "مَنْ عَرَفَ" کی منزل بھی ہے۔ جو اپنے ہی وجود میں ہوتی رہتی ہے یہ گفتگو کبھی کبھی کسی خاص موضوع یا اسرار پر ہوتی ہے اور کبھی کبھی باطنی رازوں پر کچھ اس طرح ہوتی رہتی ہے کہ گویا دو آدمی آمنے سامنے بیٹھ کر کیا کر رہیں ہیں۔ اس حالت میں رہنے والے فقیر کا سونا اور جاگنا دونوں برابر ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ دونوں حالتوں میں بھی یہ گفتگو برابر ہوتی رہتی ہے۔ اندر سے آنی والی آواز کے کئی مقامات ہوتے ہیں۔ جہاں سے یہ آواز آتی ہے ہاں ایک اشارہ یہ ہے کہ کسی کو ایک کان میں آتی ہے تو کسی کو دونوں کانوں میں سے بھی آتی ہے جب اس طرف سُوتا ہے تو بھی گفتگو ہوتی رہتی ہے اور جب اُس طرف پلٹ کر سوتا ہے تو بھی وہی گفتگو جاری رہتی ہے جب دونوں کان کھلے ہیں تو یہ ایک بڑی کامیابی ہے۔ کان کا کھلنا "سَمِیْعٌ وَبَصِیْرٌ" کی منزل ہے۔ یہ غیب کے چیزوں کو سُنتا ہے اور اس کو اکثر غیب سے ہدایات بھی ہوا کرتے رہتے ہیں۔ جب وہ "سَمِیْعٌ" کی منزل میں کامیاب رہتا ہے تو وہ "بَصِیْرٌ" کی طرف پرواز کرتا ہے۔ یعنی جو کچھ سُنتا ہے انہیں دیکھنے بھی لگ جاتا ہے۔ دونوں منزل ساتھ ساتھ ہوا کرتے ہیں۔ اور یہ بہت بہت بڑی کامیابی ہوتی ہے۔ کان کے علاوہ قلب سے بھی اکثر آواز آیا کرتی ہے۔ اہل تصوف کو اس پر مکمل عمل کرتے رہنا چاہیئے۔

(اس سے زیادہ اس منزل کے پردے اُٹھانے سے یہ فقیر بالکل عاجز ہے)
لیکن اہلِ تصوّف ان منازل کو بخوبی جانتے ہیں اور آگے کی منزل پر بھی نظر برابر لگائے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس منزل پر رہنے والے فقیر کے روبرو جب کوئی شخص آتا ہے تو آنے والے کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ صرف آنے والے کو دیکھ کر ہی اُسکی کل حقیقت سے واقف ہو جاتا ہے۔ اور یہ جو بات لیکر آیا ہے اُس سے بھی اور جو کچھ کہنے جانے والا ہے اُس سے بھی۔ اس منزل کے فقیر کا قلب بہت روشن ہوا کرتا ہے۔ ہر ایک کی حقیقت اس کے قلب میں ٹھیک ٹھیک ویسے ہی ظاہر ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ وہ اُن کے دل میں ہوتی ہے۔ اگر کسی فقیر میں یہ صفتیں اور یہ کیفیتیں نہیں ہیں تو سمجھ لینا چاہیئے کہ ابھی منزل بہت دور ہے اور اسے پہلے سے کہیں زیادہ جدوجہد کرنی چاہیئے اور ان کیفیتوں کو اپنے وجود میں پیدا کرنا چاہیئے۔

"مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ" کا راز اگر کسی فقیر پر جب مکمل روشن ہو جاتا ہے تو اس میں ایک بڑی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ اُس کے اطراف ایک قدرتی دائرہ نمودار ہوتا ہے۔ اس دائرے کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ یہ سمٹ سمٹ کر چھوٹا بھی ہو جاتا ہے اور جب کھُلے ماحول میں رہے تو اتنا بڑا ہو جاتا ہے کہ زمین سے آسمان تک پھیل جاتا ہے یہ دائرہ "مَنْ عَرَفَ" کی قوت ہوا کرتا ہے۔ اس میں ہر شئے کے ظاہر و باطن کی شکل اور ان کی حقیقت صاف صاف نظر آتی رہتی ہے۔ ایک ہی مقام میں رہنے کے باوجود دُنیا کے کونے کونے کی خبر آن کی آن میں ہوتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ کس جگہ کون آدمی کیا کر رہا ہے اور اس پر کیا گزرنے والی ہے۔ سب کی اطلاع ہو جاتی ہے۔ جس کے وجود میں یہ دائرہ موجود ہے وہ اعلیٰ و اکمل ہوتا ہے۔ اس کی نظر آسمانوں سے پرے کی چیزوں کو دیکھتی رہتی ہے جب ایسا فقیر "مقامِ جمع" کے عالم میں کھڑا ہو جاتا ہے تو کون سے ستارے میں کیا ہو رہا ہے اور ایک آسمان میں اور دوسرے آسمان میں کیا کچھ ہو رہا ہے یہ سب کچھ دیکھ لیتا ہے۔ یہی وہ قوت ہے جو فقر کی منزل پر پہنچنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اور یہ دائرہ اس فقیر کے دونوں حالتوں میں بھی موجود رہتا ہے۔ یعنی فنا و بقا

دونوں ہیں۔ جب یہ زندہ ہے تب بھی اور جب یہ پردہ ہو جاتا ہے۔ تب بھی یہ دائرہ اُس کے قبر پر موجود رہتا ہے اور اس کے قبر سے یہ نورانی دائرہ ظاہر ہو کر کل عالم کو فیض یاب کرتا رہتا ہے۔ یہ دائرہ ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ چاند اور سورج کے اطراف ہالہ بنا ہوا ہوتا ہے۔ جس کسی میں ایسی قوت موجود رہتی ہے وہی آسمانوں سے پرے کی سیر کر سکتا ہے اور وہاں کے حالات کے موافق اپنے حالات کو بدل کر اپنے وجود کو وہاں تک پرواز کرا سکتا ہے۔

اللہ پاک کا فرمان ہے کہ: "یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ" "اے جن و انس اگر تم میں استطاعت ہے تو زمین اور آسمان سے پرے نکلو"۔ اس کے بعد یہ نہیں کہا گیا ہے کہ تم نہیں نکل پاؤ گے بلکہ فرمایا۔ "لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ"۔ یعنی تم بغیر دلیل کے نہیں نکل سکتے۔" گویا تم نکل تو سکتے ہو مگر سعی و جدوجہد کے ساتھ۔ ان مقامات پر اور ان منازل پر صرف وہی کامیاب ہو سکتا ہے جو اللہ کا اور رسولؐ کا ہو گیا۔ اور اپنے ایمان کو مضبوط رکھتے ہوئے اللہ والوں کے گروہ میں شامل ہو گیا ہو اور اللہ والوں کا گروہ ہی ہمیشہ کامیاب رہتا ہے۔ اور اللہ والے ہی ہمیشہ فقر کی منزل پر کامیاب رہیں گے "وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ" — اس منزل کی دلیل ہے۔ اور جس نے اللہ اور رسولؐ پر توکل کیا وہ اللہ کے گروہ سے ہے اور وہی ہمیشہ کامیاب رہے گا۔

اس مقام اور ان منازل پر فقیر کو پہنچنے کیلئے ہمیشہ طالب المولیٰ ہونا چاہیئے اس کی نظر ہمیشہ دیدارِ الٰہی میں لگی رہتی ہے اور اس کی زبان ہمیشہ کلامِ الٰہی کہتی رہتی ہے اور وہ ہمیشہ مقام رضا میں رہتا ہے۔ کسی حال قضاء کی چاہت اس کے قلب میں نہیں آتی۔ قضا اور رضا میں بہت بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ اہلِ قضا پر دوزخ حرام ہوتی ہے تو اہلِ رضا پر دوزخ اور جنت دونوں حرام ہوتے ہیں۔ کیونکہ اہلِ رضا ہمیشہ

طالبِ المولیٰ ہوا کرتا ہے اور دید کی کیفیت میں رہتا ہے اور وہ "مَنْ عَرَفَ" سے رب کی دیدار میں اپنے آپ کو مطمئن رکھتا ہے۔ "یَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّہٖ"۔ یعنی وہ اپنے رب کے دیدار کی طلب میں رہتا ہے۔ اور اسی سے سکون پاتا ہے۔ اہلِ رضاء کے متعلق فرمانِ خداوندی ہے کہ "تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی آگئی ہے اور ایک ایسی کتاب جو حق کو واضح کرنے والی ہے۔ خدا ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے دائرے میں رہتے ہیں انہیں سلامتی کے طریقے اور راہ بتلاتا ہے اور اپنے اِذن سے ان کو اندھیروں سے نکال کر اُجالے کی طرف لاتا ہے اور مقامِ فقر کی طرف ان کی رہنمائی کرتا ہے۔

ان رموز کو اور ان بھیدوں کو پانا ہے تو راہبر ہی سے پانا ہوتا ہے جو کہ اس راہ پر ہوتے ہیں۔ اور ان کے سوا اور کوئی نہیں ہے جو اس راہ کو آسان کرے۔ طالب کو مرشدوں کی خدمت کر کے وقت کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے اُن سے پوچھ لینا چاہیئے۔ کیونکہ پوچھنا ہوشیار عاشق کا کام ہے اور ایک بڑی حقیقت ہے کہ "یار کا بھید یار کے پاس ہی ہوا کرتا ہے۔" فقیر کو زیادہ علم کی نہیں بلکہ مرشد کی صحبت کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور علم سے زیادہ عمل کی راہ میں لگا رہنا چاہیئے اور حقیقی رازوں سے آشنا ہونا چاہیئے زیادہ علم سے اگر کوئی اللہ تعالیٰ تک پہنچ سکتا تو شیطان لعنتی نہ ہوتا۔ زیادہ علم کا حاصل کرنا بھی ایک بڑا پردہ ہے۔ پس جس کی نظر اللہ پر لگی ہے اور اللہ کافی ہے ایسے کو "کافیہ" کی ضرورت نہیں۔ اہلِ فقراء کو نہ تو ثواب سے کچھ تعلق ہے اور نہ ہی عذاب سے سروکار۔ بلکہ وہ اپنے اپنے نفس کے محاسبے میں "مَنْ عَرَفَ" میں اپنی جان کو کباب کرتے رہتے ہیں۔ اور فقراء کیلئے اللہ جل وشانہٗ کافی ہے اور ایسی چاہت رکھنے والے فقراء کے ساتھ ساتھ ہی یار ہوا کرتا ہے۔ ذرا گردن جھکائی دیدار کر لی۔ "وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ" جہاں کہیں تم ہو وہ ساتھ ساتھ ہی ہے۔

اہلِ فقراء اور اہلِ فقیہہ میں بہت بڑا فرق ہوا کرتا ہے۔ اہلِ فقراء صاحبِ ذوق وشوق اور راہِ خدا میں جدوجہد کرنے والے اس راہ میں سب کچھ مٹا دینے

والے اور خدا کی وحدانیت میں ہمیشہ غرق رہنے والے ہوتے ہیں لیکن فقیہہ مسئلوں، سطروں، حرفوں اور ورقوں کے مطالعہ میں مصروف ہوا کرتے ہیں۔ مسئلوں کا مطالبہ اور ضرورت تو قبر تک ہوتی ہے، لیکن فقراء کا فقر دائمی ہے۔ ان کا ذکر و اذکار اور عمل تو قبر کے اندر بھی برابر جاری رہتا ہے اور کمال کی بات تو یہ ہے کہ غفلت ان میں کسی سمت سے بھی راہ نہیں پاتی۔ اپنے مقصدِ حیات کو وہ کسی وقت بھی فراموش نہیں کیا کرتے۔ اللہ کی یاد ان کے دلوں سے ایک لمحہ بھی دور نہیں ہوتی۔ ہر آن رَبُّ العٰلمین کی رضا اور اس کی مرضی کی طرف ہی قدم بڑھتے رہتے ہیں۔ اور سیرت و کردار کا ایک روشن نمونہ ہوا کرتے ہیں۔ انہیں کے متعلق سردارِ الانبیاء رحمت العٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ان میں سے جس کی بھی تم پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔"

فقیر جب رضائے مولیٰ پر ہمیشہ تیار رہتا ہے اور اس کے قریب سے قریب ہونے کی کوشش میں لگا رہتا ہے تو اس کے اور مولیٰ کے درمیانی پردے اُٹھنے لگ جاتے ہیں اور ذات کے صفات کو اپنے آپ میں ظاہر ہوتے ہوئے پاتا ہے۔ اور یہ صفات اسماءِ حسنہ کے ذکر و اذکار و افکار سے ہی گھر کرتے جاتے ہیں۔ کیونکہ ذات کا حجاب صفات ہیں۔ اور صفات کا اسماء اور اسماء کا افعال۔ جب تک افعال سے نہ ہو گذر جائیں ذات تک پہنچنا ناممکن ہے۔ اور جب تک ذات تک نہ پہنچیں فقیر کی منزل نامکمل ہی ہوا کرتی ہے۔ ہر چیز کی کوئی نہ کوئی کسوٹی ہوا کرتی ہے۔ اور افعال باعلم کی کسوٹی کی منزل ہی فقر کا مقام ہے۔ جو فقیر یہ راہ طے نہیں کرتا وہ خلافِ علم اور خبیث ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ کچھ نظارہ بھی کر لیں اور کچھ حیرت انگیز چیزیں اس سے ظاہر بھی ہو رہے ہیں تو بھی یہ سب صرف شعبدہ ہے اور استدراج سے ہوتے ہیں۔ اس منزل پر بہت ہوشیار رہنا ہوتا ہے اور ہر منزل پر اصلاح کر لیتے رہنا پڑتا ہے۔ سچا فقیر ہمیشہ یادِ الٰہی میں رہتا ہے اور شغلِ الٰہی سے کبھی فارغ نہیں ہوتا۔ یہاں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ہزاروں فقراء میں سے کوئی ایک فقیر

عارف باللہ بھی مل جائے تو یہ بہت بڑی بات ہوتی ہے اس لئے فقیر کو بڑی محنت و مشقت کر کے ہی منزل پر پہنچنا ہوتا ہے۔ فقیر کا وجود جن چیزوں سے بنا ہے اگر فقیر اس پر توجہ دے لیں اور اس کے راز سے واقف ہو جائے تو اس کی منزل بہت کچھ آسان ہو جائے گی۔ فقیر کا وجود "ف۔ ق۔ ی۔ ر" سے بنا ہے۔ اس میں معمہ یہ چھپا ہوا ہے کہ "ف" سے فاقہ۔ "ق" سے قناعت۔ "ی" سے یادِ الٰہی۔ "ر" سے ریاضت ہے" اگر فقیر میں یہ منازل۔ فاقہ۔ قناعت۔ یادِ الٰہی۔ اور ریاضت نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ دل اگر ایک مقام پر نہیں ٹھہرتا ہے کبھی اِدھر کبھی اُدھر نکل جاتا ہے اور جو کچھ بھی عبادت و ریاضت ہوتی ہے وہ بے اثر ہو جاتی ہے، تو فقیر کو "خفاء" یعنی "اکسوئی" کی مشق کرنا چاہیئے، اور اسی اکسوئی سے ہی تو ہر عبادت و ریاضت میں اثر پیدا ہوتا ہے اور دل ایک مقام پر لگا رہتا ہے اور فقیر کو ایسا کرنا بہت ضروری ہے اور وہ ہمیشہ ایسا کچھ کریں کہ اس کے قلب کو ایک مقام پر قرار آئے۔ کیونکہ فقر کا طالب پارے کی طرح ہوتا ہے اور زیادہ کسی چیز سے کشتہ نہیں ہوتا اور کسی قید میں نہیں رہتا جو شخص پارے کو کسی ترکیب سے کشتہ کرتا ہے اور خاکستر کرتا ہے اس کو "صاحبِ اکسیر" کہتے ہیں ایسے فقیر کو دنیا میں کسی چیز کی ضرورت نہیں رہتی۔ کیونکہ وہ صاحبِ کمال ہوتا ہے اور جب چاہے اور جو چاہے حاصل کر لیتا ہے اور ہر چیز اس کی ہو کر رہ جاتی ہے۔ اسلئے فقیر بنا کوئی آسان بات نہیں اور پھر فقر کی منزل پانا یہ بڑی ہی مشکل راہ ہوتی ہے اس منزل پر آتے آتے ہزاروں اپنی اصل راہ سے جدا ہو گئے ہیں۔ طالب المولیٰ بننے میں بڑی دشواریاں ہوتی ہیں۔ جب فقیر ان دشواریوں سے پار ہو جاتا ہے تب ہی تو وہ مذکر بنتا ہے۔ ورنہ مذکر بننا ہر کس کی بس کی بات نہیں۔ مقامِ فقر اور اسکے مراتب سے اس وقت تک آشنا نہیں ہو سکتا جب تک وہ توحید و فردانیت میں غرق نہیں ہوتا۔ جب تک "فنا فی اللہ" نہیں ہوتا۔ فقر کے مراتب پر غالب نہیں آسکتا۔ یہ سب صرف اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جب کہ مرشدِ کامل "اسمِ اللہ" ذات

کے مشقوں سے واقف نہ کروا دے اور انوارِ دیدار میں اس طرح مستغرق کر دیں کہ کسی غیر کو دیکھنا اُس کیلئے حرام ہو جائے جو فقیر اِن آثار سے "فنا فی اللہ" ہوئے وہی رَبِّ جلیل کا سچا فقیر ہوتا ہے۔ اِن منازل تک صرف وہی پہنچا سکتا ہے جو خود فقر کی منزل پر ہو، اور اس میں ڈوبا ہوا ہو اور اس سے واقف ہو، اور فقر تک پہنچا ہوا ہو اور جس نے فقر کی لذت چکھی ہو اور فقر اختیار کیا ہوا ہو، اور سب سے بڑھ کر "سُلطَانُ الفَقر" کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوا ہو۔ چونکہ جو کچھ دیکھنا ہے اور جو کچھ پانا ہے وہ سب یہیں کر لینا ہے۔ یہاں کچھ نہ کیا تو وہاں بھی کچھ نہ ہوگا۔ یہاں کا اندھا وہاں بھی اندھا ہی ہے۔ "وَمَن کَانَ فِی ھٰذِہٖ اَعمٰی فَھُوَ فِی الاٰخِرَۃِ اَعمٰی"۔ اس کی دلیل ہے۔

فقیر کیلئے صحبتِ خلق سے بڑھ کر اور کوئی چیز نقصاندہ نہیں ہوتی کیونکہ جس قدر خلقت سے نزدیک ہوگا اُسی قدر خالق سے دُور رہیگا۔ اِسی لئے ہمیشہ ذکرِ الٰہی ہی میں لگا رہنا چاہیئے اور دُنیا اور خلقت سے کوئی لگاؤ نہیں رکھنا چاہیئے۔ فقیر کو بزرگانِ دین کی طرزِ زندگی اور اُن کے عمل کو یاد رکھنا چاہیئے۔ اور دیکھنا چاہیئے کہ بزرگانِ دین نے اللہ اور رسولؐ کی محبت میں اور ترک الدنیا کی جدوجہد میں اپنی زندگی کیسے گذاری ہے۔ اس سلسلے میں بزرگانِ دین کے بہت سے واقعات موجود ہیں۔ مثلاً۔ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ پہلے ایک ملک کے بادشاہ تھے۔ بعد میں ترک الدنیا کر کے جنگل کو چلے گئے۔ ایک مرتبہ حضرت کا قیام مدینہ منورہ میں رہا۔ کسی طرح یہ اطلاع اُن کے بیٹے کو ہوئی جو آپ کے بعد ملک کا بادشاہ بنا تھا۔ اس نے فوراً باپ کی تلاش میں نکل پڑا اور مدینہ منورہ پہنچا۔ بہت ہی تلاش کے بعد ایک دن حضرت سے ملاقات ہو گئی۔ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ اپنی دھن میں کہیں جا رہے تھے بیٹے نے باپ سے لپٹ گیا اور واپس وطن آنے کیلئے کہا۔ حضرت نے بیٹے پر نظر نہیں ڈالی، آپؒ یہاں سے نکل جانا چاہتے تھے۔ لیکن بیٹے نے جب بہت اصرار کیا تو

حضرت نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر ربّ العٰلمین سے دعا کی کہ "اے باری تعالےٰ مجھے تو اور نہ آزمائش میں ڈال یا تو تُو مجھے اُٹھالے یا پھر اسے اُٹھالے" لڑکا فوراً وہیں فوت ہوگیا۔ اور آپ پھر سے جنگل کی طرف واپس ہوگئے۔ جب مولیٰ کی محبت دل میں گھر کرلیتی ہے تو پھر کسی اور کی محبت قلب میں کیسے آسکتی ہے اسکی یہ ایک زندہ مثال ہے۔

منقول ہے کہ حضرت شیخ الاسلام شیخ بہاؤالدین بہا الحق رحمۃ اللہ علیہ دنیا میں ایک ہی پہلو پر سوتے تھے۔ پردہ ہونے کے بعد قبر میں دوسرے پہلو پر آرام کیا۔ ایک اور بزرگ چالیس سال تک اپنی پیٹھ کو ٹیکا نہیں دیا تھا۔ بہرحال بزرگانِ دین کے ایسے بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ جن سے سبق حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اور اصل حقیقت کیا ہے اُن سے بھی واقفیت ہوجاتی ہے۔ فقیر جب تک اپنی زندگی کو کچھ ایسے ماحول میں نہیں ڈھالتا کچھ دعویٰ کریں بیکار ہی ہے۔ فقیر کا ہر دم ذکرِ الٰہی میں لگا ہوا ہونا چاہیئے۔ اور ہمیشہ دم پر توجہ رکھنی ہوتی ہے۔ جو دم ذکرِ الٰہی کے بغیر لیا جائے تصوّف میں اسکو مردہ کہتے ہیں۔ اور آخرت میں انہیں مردہ دموں کا حساب لیا جاتا ہے۔ فقیر جب اپنی توجہ اپنی نظر حقیقت پر جمع رکھتا ہے تو اس کے مقامات اور منازل بھی بدلتے چلے جاتے ہیں۔ اس کا نفس نفس نہیں، دل ہوجاتا ہے۔ اس کا دل، روح۔ اور روح سر۔ اور سر اسم ذات بن جاتا ہے۔ اور انتہائی مقام پر وہ فقیر میں مکمل طور پر لپیٹ جاتا ہے۔ اس مقام پر رہنے والے فقیر کا جسم کہنے کو دنیا میں رہتا ہے لیکن اس کا دل ہمیشہ آخرت پر لگا ہوا ہوتا ہے۔ "اَجْسَامُھُمْ فِی الدُّنْیَا وَقُلُوْبُھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ" کہنے کو ان کے جسم دنیا میں رہتے ہیں لیکن اُن کے دل تو آخرت تو آخرت میں ہیں" اللہ پاک کو چاہنے والوں کے دل ہمیشہ اس کی یاد میں اور اسکی جستجو میں لگے رہتے ہیں اور خالق کے تفکر ہی میں مست رہتے ہیں ایسے لوگ کہنے کو ہی دنیا میں چل پھرتے رہتے ہیں لیکن اُن کی توجہ اور اُن کے دل ہمیشہ باطن میں ہی لگے ہوئے ہوتے ہیں۔

عرفان یا تصوّف کی راہ کوئی آسان راہ نہیں ہے اور پھر دنیا میں رہتے ہوئے بھی باطن کی دھن میں مگن رہنا یہ کوئی معمولی بات نہیں۔ ایسے لوگوں پر

رَبُّ الْعٰلَمِیْن کا بہت بڑا فضل و کرم رہتا ہے اور ان میں قدرت کا ایک گہرا راز چھپا ہوا ہوتا ہے اس بھید کو صرف وہی جان سکتا ہے جو اس راہ میں لگا ہوا ہو۔ اور اپنی روح کی لذت سے آشنا ہو، اور اپنے وجود سے نفسانیت، خواہشات و حرص و ہوا کو دور کر کے "مَا سِوَا اللّٰہ" کے سب کچھ دھو ڈالا ہو، کیونکہ دنیا اور اس کی لذت کو چھوڑنا بھی بڑی عبادت ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ "اَلدُّنْیَا لِلسَّلَاطِیْنِ وَالْکَافِرِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالْمَسَاکِیْنَ۔ دنیا تو سلطنت کرنے والوں اور کافروں کیلئے ہے اور پرہیزگاروں اور مسکینوں کیلئے تو عاقبت ہے"۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ "دنیا ایک خواب کی طرح ہے اور یہاں آرام و عیش کرنا ایسا ہی ہے جیسے کہ احتلام ہوتا ہو"۔ دنیا تو عورت کی صحبت کی طرح ہے اس لئے اس فانی دنیا پر شہباز کبھی بھی اپنی نظر نہیں ڈالتا۔ اس سے دور بھاگتا ہے اور اس کو تنہائی میں ہی لذت ملتی ہے۔ "اَلدُّنْیَا مَنَامٌ وَالْعَیْشُ فِیْھَا اِحْتِلَامٌ"۔ واضح رہے کہ دل گھر کی طرح اور ذکرِ الٰہی فرشتوں کی طرح۔ اور دنیا کی محبت و خطرات کتے کی طرح ہوتی ہیں۔ اور جس دل میں کتا ہوتا ہے وہاں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ "لَا یَدْخُلُ الْمَلَائِکَۃُ فِیْ بَیْتِ الْکَلْبِ۔ ملائکہ داخل نہیں ہوتے اس گھر میں جس گھر میں کتا ہو"۔ یہاں گھر اور کتے کی مثال دل اور دنیا کی ہے۔ یعنی جس دل میں دنیا ہے اس دل میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ذکرِ الٰہی کیلئے پہلی شرط تو یہ ہے کہ قلب کا پاک ہونا بہت ضروری ہے اور اس کے بعد ہی ذکر و فکر اثر کرتے ہیں اور قائم رہتے ہیں۔ جب تک گھر کو پاک و صاف نہیں کر لیتے پاک چیزوں کا وہاں پر رکھنا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔ کیونکہ پاک چیز پاک مقام پر ہی قرار پاتی ہے ذکر و اذکار پاک چیزیں ہیں۔ ان کے قلب میں قرار پکڑنے کیلئے قلب بھی پاک و صاف رہنا ضروری ہے "اَلذِّکْرُ شَیْءٌ طَاھِرٌ لَا یَسْتَقِرُّ اِلَّا بِمَکَانٍ طَاھِرٍ۔ ذکر پاک شئے ہے جو پاکیزہ مکان کے سوا کہیں قرار نہیں پکڑتی"۔ جب قلب پاک یعنی دنیاوی چیزوں اور اس کی لذت سے بالکل بے نیاز ہوتا ہے تو پھر اس قلب میں ذکر کا کرنا کام آئیگا اور ذکر بھی قرار پکڑے گا۔ اور دل "اللہ" کے نام کیساتھ ہی دھڑکنے لگ جاتا ہے۔ اور دل کی دھڑکن کو "اللہ" کی ذکر میں ملانا ہوتا ہے

اور اسی اللہ کے نام پر ہر دھڑکن جاری رہتا ہے۔ فرمانِ خداوندی ہے کہ "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا" (الاحزاب) اے ایمان والو تم ذکر کیا کرو اللہ کا ذکر کثرت سے" اسی ذکر سے قلب پاک بھی ہوتا ہے اور ذات بھی قرار پکڑتا ہے۔ جس قلب میں ذات قرار پکڑ لیں وہ قلب قلب نہیں عرش مولیٰ ہوا کرتا ہے۔ اکثر نادان لوگ اپنے تئیں قلبی ذاکر کہتے ہیں اور دل کی جنبش کو قلب کہتے ہیں۔ اور دم کو بند کر کے دل تلے اور اوپر کھینچتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ "حبس" ہے۔ لیکن "حبس" کی حقیقت کچھ اور ہی ہے اور ذکرِ قلبی بھی کچھ اور ہی مقام ہے۔ حقیقت میں ذکرِ قلبی جب قرار پکڑتا ہے تو ذاکر کے خاموش رہنے کے باوجود ذکر جاری رہتا ہے۔ اور ذاکر اس کو کچھ اس طرح سُنتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ یہ کون ہے جو اندر سے اس طرح آواز کرتا ہے جیسا کہ کوئی باہر پکار رہا ہو۔ ذکر کرنے والا اپنی زبان کو ہمیشہ بند رکھتا ہے اور ذکر ہے کہ برابر جاری رہتا ہے اور یہ ذکر مضبوطی سے قرار پکڑ جائے تو ہر حال میں جاری رہتا ہے۔ یعنی سوتے جاگتے یا کسی کام میں لگے ہوں۔ یہ برابر اپنے عمل پر قائم رہتا ہے کبھی کبھی ذاکر تعجب میں رہ جاتا ہے کہ یہ کون ہے جو اندر سے اس طرح ہدایت کرتا ہے اور آواز کرتا ہے۔ اگر کسی ذاکر میں یہ کیفیت موجود ہو تو وہ ایک خوش نصیب ہے اور اُس کو پہلے سے زیادہ خلقت سے کنارہ کرنا چاہیئے اور ذکر میں اور زیادہ لذت لیتے رہنا چاہیئے اگر کسی فقیر یا اللہ والے میں یہ بات پائی جاتی ہے تو یہ ایک بہت بڑی کامیابی ہے اور اُس کی منزل بہت بلند ہے۔ "لَا یَشْغَلُھُمْ شَیْءٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ طَرْفَۃَ الْعَیْنِ۔" نہیں روک سکتی کوئی شئے ان کو یادِ الٰہی سے لمحہ بھر کیلئے بھی"۔

حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو ہدایت فرمائی۔ اَغْمِضْ عَیْنَیْکَ اَسْمِعْ فِیْ قَلْبِکَ یَا عَلِیُّ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" اے علیؓ اپنی آنکھیں بند کر لے اور اپنے دل میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" سُنو جب ایسے ذکر سے قلب کے دروازے کھل جاتے ہیں تو دل کی آنکھیں روشن ضمیر ہو جاتی ہیں۔ اور قلب ذکرِ جہر سے جنبش کرنے لگتا ہے جو اپنے آپ سُنائی دیتا ہے اور غیر بھی سُنتے ہیں

جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ عبادت میں مشغول ہو جاتے، آپ کی زبان بند رہتی اور آپ پر ایک وجد طاری رہتا اور آپ کے جسم سے آواز نکلنا شروع ہو جاتی اور اس آواز کو راستے سے گذرنے والے تک سُنتے تھے۔ یاد رہے کہ اللہ والوں کے قلب اللہ تعالےٰ کا عرش ہوا کرتے ہیں۔ "قَلْبُ الْمُؤْمِنِ عَرْشُ اللّٰہِ تَعَالٰی"۔

راہبر اپنے طالبوں کو ذکر و اذکار ادا کرنے اور ان سے باطنی قوت حاصل کرنے کے اچھے اچھے طور و طریقوں سے آشنا کراتے ہیں اور ان کی اچھی مشق کرواتے ہیں۔ چند راہبر جو حقیقی علم سے بالکل ناآشنا ہوا کرتے ہیں وہ اپنے طالبوں کو بناوٹی اُصلوں کی طرف لگا دیتے ہیں۔ اور اُن کی منزل کو کچھ ایسی راہ پر لگا دیتے ہیں جو کبھی بھی کامیابی کے مقام تک نہیں پہنچتے۔ اس لئے طالب کو ہمیشہ بہت ہوشیار رہنا چاہیئے۔ اور ایسے طریقے اور چیزیں جو گمراہی کی طرف لئے جاتے ہیں۔ اُن پر کبھی بھی عمل نہیں کرنا چاہیئے۔ ایسے عمل جو گمراہ کرتے ہیں اُن سے نہ تو کوئی فائدہ ہے اور نہ ہی ان سے کوئی حقیقی قوت وجود میں پیدا ہوتی ہے بناوٹی اُصلوں سے صرف شیطانی قوت ہی پیدا ہوتی ہے جو باطل ہے رحمانی قوت پیدا کرنے کیلئے اور منزل کو صراط المستقیم پر قائم کرنے کیلئے اللہ اور رسولؐ کے فرمان کو مدِ نظر رکھنا چاہیئے۔ ہاں کچھ راہبر یہ بھی کہتے ہیں کہ "راتوں میں چراغ یا موم بتی روشن کر کے اس کی لَو میں نظر کو پلک جھپکے بغیر جمائے رکھیں" اور کوئی کہتے ہیں کہ "خلاء میں گھورتے رہیں" اور کوئی یہ بھی کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے قبرستان میں جا کر کسی بزرگ ہستی یا ولی اللہ یا کسی شہید کی مزار پر دعوت دین یا عمل کریں۔ اور روح کو بیدار کر کے اور اس کو حاضر کر کے اُس سے مستفید ہو دیں"۔ ہاں ایسا کرتے رہنے پر کئی دن کے عمل کے بعد کچھ کامیابی تو ضرور مل جائے گی۔ لیکن ان عمل میں بھی شیاطین اور گندے ارواح کے شر اور حملوں کا زیادہ خوف لگا ہوا ہوتا ہے۔ اور کبھی کبھی مشکل بھی آپڑتی ہے اور دھوکا بھی ہو جایا کرتا ہے۔ اور ان عملوں کو اپناتے ہوئے بہت سے دیوانے اور راہ سے بھٹک بھی گئے ہیں۔

اچھے عملوں میں بہتر دو ایک یہ ہیں کہ خلقت سے کنارہ لے کر کسی

جنگل میں یا کھلے میدان میں یا سمندر کے کنارے یا کسی پہاڑ کے غار میں تنہا بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کریں۔ اور رات کا عالم ہوتا ہے تو یہ بہت اچھا ہوگا۔ اور رات کے اندھیرے میں قرآن شریف کی کوئی مخصوص سورۃ یا آیت کی تلاوت کرتے رہنا چاہیئے ایسا کرتے رہنے سے آیت یا سورۃ میں جو مخصوص چیز پوشیدہ رہتی ہے وہ شکل پکڑ کر دیدار کرواتی ہے۔ یا ایسا بھی کرتے ہیں کہ رات کے اندھیرے میں آنکھیں بند کر کے تصورِ مرشد کو قائم رکھکر "اَفْضَلُ الذِّکْر" کیا کریں۔ یا ایسا بھی کر سکتے ہیں کہ آبادی سے دور جا کر یا سمندر کے کنارے یا کسی جنگل یا کسی پہاڑ پر کوئی خاص جگہ یا گوئی یا غار میں بیٹھیں، جہاں پر خلق کا گذر نہ ہو، اور خاص کر راتوں میں آنکھیں بند رکھ کر تصور "اللہ" اپنی باطنی آنکھ (یعنی دونوں بھوؤں کے درمیان یا قلب کے اندرونی حصے میں) میں جمع کر ذکرِ "حبس" کیا کریں تو انشاءاللہ تھوڑی مدت ہی میں کامیابی ضرور ملیگی۔ اور ایسا بھی کر سکتے ہیں کہ سمندر کے کنارے جہاں لوگوں کی چہل پہل نہ ہو وہاں پر بالو میں ایک قبر بنا کر اسکو کسی خاص کا نام دے کر اس کے ہر کونے میں خاص خاص چیزیں تحریر کر کے گیارہ رات "دعوت" دیں تو انشاءاللہ "روح" حاضر ہو جائے گی۔ اور ان سب چیزوں اور عمل کو صرف اپنے آخرت کیلئے اور اپنے منازل کی بلندی کیلئے ہی اور خیر کے لئے ہی رکھنا چاہیئے، نہ کہ کسی دنیاوی چیزوں کے استعمال کیلئے یا کسی کی برائی کیلئے یا دولت کیلئے کرنا نہیں چاہیئے۔ اور ان میں سے کسی بھی چیز کے عمل سے پہلے اپنے پیر و مرشد سے اجازت لے لینا بہت اہم اور ضروری ہے۔ بغیر اجازت کے کوئی عمل نہ کیا کریں۔ ہر چیز کی جب تک تفصیلی معلومات نہ ہو وہیں کوئی عمل نہیں کرنا چاہیئے۔ اور تفصیل تو صرف راہبر ہی بتلا سکتے ہیں۔ (فقیر تو صرف اشارے دے رکھا ہے) اور راہبر کامل ہی کامیابی کی راہ پر لگا سکتے ہیں۔

ذاکر اگر اپنے اندر اور باہر اپنے ہی نفس میں غور کریں تو اس کو معلوم ہوگا کہ اس کے اعضاء و ارواح یہ اس کا عالم کون و شہادت ہیں جو حق تعالیٰ کے قول کُن سے فعل میں فیکون ہوا ہے اور پھر حق تعالیٰ اپنی قدرت و اخلاق اس ذاکر روح میں

ڈال دیتا ہے اور اس کی حالت بدلنے لگ جاتی ہے۔ جو تاثرات اُدھر ہوتے ہیں وہ ادھر بھی ہونے لگ جاتے ہیں اور حقیقت ایک ہونے لگ جاتی ہے اور "لا موجود الا ھو" کا بھید ظاہر ہونے لگ جاتا ہے جو فقیر اپنے آپ کو اس دائرے میں شامل کرنے لگتا ہے وہ اپنی منزل میں بہت دور نکل جاتا ہے۔ جس طرح ایک معمولی رینگنے والا کیڑا ایک مقام پر پہنچنے کے بعد اپنا کھانا پینا سب کچھ چھوڑ دیتا ہے اور اس میں ایک اصل تقویٰ کی سی حالت آجاتی ہے اور اس میں ایک عجیب کیفیت سی پیدا ہو جاتی ہے وہ دُنیاوی کسی بھی چیز سے پرہیز کرتا ہے۔ ایک تھوڑی ہی مدت میں اس کے اندر اسکے جسم میں ایک غیر معمولی سی ایک طاقت ایک قدرت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے وجود ہی سے ایک انمول چیز کو نکال کر اپنے اردگرد لپیٹ لیتا ہے اور اس کو اپنا ایک حجرہ بنا لیکر اس ناقہ کے اندر اپنے آپ کو بند کر لیتا ہے۔ وہ مر نہیں جاتا۔ وہ کھائے پیئے بغیر بھی زندہ رہتا ہے بلکہ مقام "حبس" میں رہتا ہے تو اس کے وجود کی حالت میں بھی تبدیلی آنے لگ جاتی ہے۔ وہ ایک کیڑا اپنی اصلیت سے آزاد ہو کر ایک اور ہی نئی صورت شکل میں نمودار ہونے لگتا جاتا ہے۔ ایک مدت ایسی ہی کیفیت میں رہنے کے بعد وہی کیڑا جس سے لوگ کتراتے اور اس کو چھونے سے ڈرتے تھے۔ ایک بہت ہی خوبصورت تتلی بنکر اپنے حجرے (ناقہ) سے باہر نکلتا ہے۔ یہ تتلی اتنی خوبصورت ہوتی ہے کہ لوگ اس کے گرویدہ ہو جاتے ہیں اور اس کو پکڑنے کیلئے دوڑتے ہیں اور وہ ہوا میں اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر نکل جاتا ہے۔

بالکل اسی طرح جو فقیر راہِ حق میں لگا ہوا ہوتا ہے۔ اسکی حالت بھی ایسی ہی ہو جاتی ہے۔ اُس کو کسی چیز سے لذّت نہیں رہتی۔ اس کو نہ کوئی غذا اچھی لگتی ہے اور نہ ہی کسی کی صحبت، خلقت سے وہ بالکل کنارہ ہو جاتا ہے۔ خلقت میں رہنا اس کے لئے بڑا مشکل نظر آتا ہے۔ اور وہ تنہائی سے لذّت پاتا ہے اور وہ اپنے آپ میں غیبی گفتگو اور منازل کے اسرار کا حل پاتا رہتا ہے۔

وہ ایسے رموز سے آشنا ہوتا جاتا ہے کہ جن سے وہ پہلے کبھی بھی واقف نہیں تھا۔ "مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ وَرَّثَهُ اللّٰهُ عِلْمَ مَا لَمْ يَعْلَمْ" کے تحت اللہ پاک خود اس کو وہ علم عطا فرماتا ہے جس کو وہ کبھی جانتا تک نہ تھا۔ فقیر کو دنیا و خلقت میں پھنسے رہنے سے یہ کیفیتیں وجود میں کبھی بھی نہیں آتے۔ ان حالات کو اگر وجود میں لانا ہے اور انہیں میں اپنے آپ کو محو کر لینا ہے تو ایک حجرہ بنا لیکر اس میں بند ہو جانا ہے اور وہ ہر کھانے پینے سے آزاد رہتا ہے اس کی ہر لذت والفت صرف تنہائی ہی تنہائی رہتی ہے کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ سب کچھ اسی میں موجود ہے مثال مشہور ہے "جب کوئی نہیں ہوتا۔ خدا ہوتا ہے"

جو فقیر ایسی حالت میں اور ایسی منزل پہ رہتا ہے اس میں کشف آجاتا ہے کشف ایک قوتِ جاذبہ ہے، اس کی خاصیت یہ ہے کہ بصیرت کی آنکھ کو غیب کے فیض کی طرف نور آجائے اور اس کا نور اس سے ایسا متصل ہو جیسے شعاع صاف شیشہ سے ملتی ہے جس وقت کہ منبع مجذوب کا مقابلہ اس کے فیض کی طرف ہو پھر اس کا نور الٹا ہو کر اپنی روشنی کے ساتھ قلب پر گرتا ہے پھر عالم عقد کی طرح اوپر کو چڑھتا ہے اور اس سے اس کا اتصال معنوی ہوتا ہے۔ نور عقل کے استفاضہ میں میدان قلب پر اس کا اثر ہوتا ہے۔ اس مقام پر فقیر کے قلب میں جس طرح کے خیالات پیدا ہوتے رہتے ہیں وہی عالم غیب میں رَبِّ جلیل تک پہنچتے رہتے ہیں۔ اور جس بات کو بھی ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ وہ بھی برابر منزلِ مقصود تک پہنچتے رہتے ہیں۔ یہاں زبان کا کچھ کام نہیں رہتا۔ زبان بند رہنے کے باوجود راز و نیاز ہوتی رہتی ہے فقیر کے حواس ظاہری اور باطنی میں یگانیت جب تک نہیں رہے اور وہ جو کچھ باطنی میں دیکھتا ہے وہی ظاہر میں بھی نہ دیکھیں اور جو کچھ ظاہر دیکھتا ہے وہ باطن میں نہ رہی تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اسکی منزل ترقی پر بالکل نہیں رہی اور جو فقیر کسی شئے کو عین بعین نہیں دیکھتا ہو اور قدرت کے کسی شئے کی حقیقت کو عین بعین نہیں سمجھتا اس کا باطن بھی باطل پر رہتا ہے۔ کامل وہی ہے جو عین بعین دیکھیں۔ اور جس کا ظاہر اور باطن یکساں ہو۔ اس کے خواب اور

بیداری میں بھی کوئی فرق نہیں رہتا۔ جو کچھ خواب میں دیکھتا ہے وہ بیداری کے عمل کیلئے ہی ہوا کرتا ہے۔ اور عاشق برابر اس پر عمل بھی کرتا ہے وہ کبھی یہ نہیں سوچ کر خاموش ہو جاتا کہ یہ خواب کی بات ہے۔ فقیر کا خواب بھی ایک دیدار اور ایک حقیقت ہوا کرتا ہے۔ وہ ظاہر میں جن چیزوں کو دیکھتا ہے اور بھی گہرائی میں جانے کی خواہش رکھتا ہے وہ خواب کے عالم میں وہ سب کچھ دیکھ لیتا ہے۔ خواب دراصل ایک حقیقی منزل ہوا کرتی ہے جس میں رَبّ رَبّ کا مشاہدہ کر لیتا ہے۔ خواب میں دیکھنا حقیقت میں دیکھنے کے برابر ہی ہوتا ہے۔ اور جو کچھ خواب میں فقیر کے حق میں ہدایت ہوتی ہے فقیر بیداری میں اسکو ضرور پورا کرتا ہے خواب میں جو کچھ ہدایات یا اشارے ہوتے ہیں اُن کو من جانب رَبّ سمجھا جاتا ہے۔ یہی حقیقت حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے خوابوں میں پوشیدہ تھی۔ اور یہی وہ ایک منزل ہے جہاں پر عاشق اور معشوق دونوں بغیر پردے کے آمنے سامنے ہوتے ہیں۔ اور آپس میں راز و نیاز ہوا کرتی ہے۔ اور یہی وہ منزل ہے جس سے پرواز کی بلندیوں کا ٹھیک ٹھیک اندازہ ہو جاتا ہے اور منزل کہاں جا رہی ہے اور اسکا کیا مقام ہے ان سب کا صحیح صحیح اندازہ مل جاتا ہے۔ اور اس مقام میں رہنے والے فقیر کا ظاہر و باطن، خواب و بیداری میں کچھ بھی فرق نہیں رہتا ہے۔ جو کچھ وہاں رہتا ہے وہ یہاں ہوتا ہے اور جو کچھ یہاں رہتا ہے وہ وہاں ہوتا ہے۔ اس منزل پہ وسوسہ اور خطرات دور ہو جاتے ہیں اور اسے دولتِ آخروی نصیب ہوتی ہے۔ کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہتی۔ تمام پوشیدہ چیزیں منکشف ہونی شروع ہو جاتے ہیں۔ اور ہر شئے کی حقیقت عین بعین روبرو آنے لگ جاتی ہے اور دکھائی دینے لگتی ہے۔ یہی مقام "فقر" کا مقام ہے۔

جب فقیر اس منزل پر ہو تو اس کو چاہیئے کہ ہمیشہ ذکرِ جہر میں مشغول رہے۔ کیونکہ اس ذکر کی خاصیت ہے کہ اس سے خطرات و غفلت دور ہو جاتے ہیں۔ اور نورِ دل کو ترقی ملتی ہے۔ ذکرِ جہر سے کسی غیر کو سنانا مقصود نہیں بلکہ خدائے تعالیٰ سے قربت اور اس کی دیدار کو اپنے اندر لانا اور اس کا نظارہ کرنا ہوتا ہے۔ اس ذکر کو کافی مدت

تک کرتے رہنے سے ہی "حبس دم" کی راہ کھلتی ہے اور اسکے بعد ہی "حبس دم" کے ذریعہ ذکر قلبی کرنا چاہیئے اور قلب میں ذکر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا ورد جاری رکھنا چاہیئے۔ اور بھی منزل کی ترقی کیلئے اسی ذکر کا تصور قائم رکھنا چاہیئے۔ اس تصور اور ذکر کے سبب محبت غیر اللہ دفع ہو جائے گی۔ اور اس کے بعد منازل کی ترقی ہی ترقی ہوا کرتی ہیں۔ اور یکے بعد دیگر بڑھتے ہی چلے جائیں گے۔ "لَا مَقْصُوْدَ اِلَّا ھُوْ" اور پھر "لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا ھُوْ" اور بھی ترقی کر کے "لَا مَشْھُوْدَ اِلَّا ھُوْ" کے مراتب پر پہنچ جاتا ہے۔ اور جب "لَا مَشْھُوْدَ اِلَّا ھُوْ" کی منزل قائم ہو جاتی ہے اور وہ سب نظارے روبرو آنے لگ جاتے ہیں جو پوشیدہ رہتے ہیں ان کا دیدار ہوتے اور ان کی حقیقت میں اپنی حقیقت کو دیکھ لینے کے بعد انتہائی منزل "لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا ھُوْ" کی سیر ہوتی ہے۔ اور اس مقام پر عاشق و معشوق کی دیدار بغیر پردے کے ہوتی ہے اور اس منزل پر یہ دلیل بھی روبرو آجاتی ہے کہ "اِنَّنِیْ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنَا"۔ یہ مقام "سِرِّ لَا مَکَان" ہے اور یہی وہ منزل ہے جہاں پر ہر چیز اپنی نورانی شکل میں دکھائی دینے لگتی ہے۔ اور فقیر کے روبرو ہر ہر شئے عیاں ہی عیاں رہتی ہے۔ اور ہر چیز کو یہاں تک کہ اپنے آپ کو اپنے روبرو دیکھتے ہوئے ہی وہ عبادت کرتا ہے۔ اللہ پاک کا فرماں ہے کہ "قُلْ ھَلْ یَسْتَوِیْ اَلْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ اَفَلَا تَتَفَکَّرُوْنَ" (انعام) یعنی تم ہی پوچھو کیا ایک اندھا اور کیا ایک دیکھنے والا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟؟ پھر تم کیوں غور نہیں کرتے" اس مقام پر غور کرنے کا اشارہ تفکر کرنے کا یعنی تصور کو قائم رکھنے کا ہے غور کرنا گھورنے کے معنیٰ رکھتا ہے۔ اور سمجھنے کا مقام آتا ہے جو دماغ سے ہوا کرتا ہے۔ یہ منزل بہت بلند ہوا کرتی ہے۔ سب کچھ تصور ہی میں پوشیدہ ہے۔ اس لئے افضل الذکر "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" ہے

جاننا چاہیئے کہ اس مقام میں رہنے والے دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جنہیں صاحب ریاضت" کہتے ہیں اور ایک وہ جنہیں "صاحب اجازت" کہتے ہیں۔ صاحب ریاضت وہ ہے جو راتوں میں جاگتا ہے اور دن میں روزہ رکھتا ہے۔ جب تک ایسی ریاضت سے دن بدن ربوبیت کے راز، روحانیت کی جمعیت اور درجات و طبقات حاصل نہ کریں وہ صاحب ریاضت کبھی بھی بن نہیں سکتا۔ فقیر کے لئے دونوں باتوں کا ہونا ضروری ہے۔

ایک وصالِ الٰہی کا قرب حضور دوسرا ارواح اہلِ قبور کی تسخیرات کی دعوت، جس فقیر میں یہ دونوں باتیں آجاتی ہیں وہ کبھی کسی کا محتاج نہیں رہتا۔ اور وہ ہمیشہ تقویٰ پرہیزگاری میں رہتا ہے کیونکہ تقویٰ و پرہیزگاری ہی مراتب کی پرواز کی قوت ہوا کرتی ہیں۔ جس کسی میں تقویٰ نہیں وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ اللہ پاک کا فرمان ہے کہ "اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ" اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کے پرہیزگاریاں ہی انہیں معزز بنائیں گی"۔

صاحبِ اجازت فقیر وہ ہے جس کی زبان اللہ کی تلوار ہوا کرتی ہے، جو کچھ بھی وہ کہتا ہے وہ فوراً ہو جاتا ہے۔ اور اس کے دل میں جو بات پیدا ہوتی ہے وہ ہو کر رہتی ہے اور وہ ہمیشہ دیدارِ الٰہی میں مصروف رہتا ہے۔ اس مقام میں رہنے والا ایسا رہتا ہے کہ جب بھی خلق کی نظر اس پر پڑتی ہے تو انہیں "اللہ" یاد آجاتا ہے۔ اور اس فقیر کی اللہ ربّ العٰلمین سے بس یہی التجا رہتی ہے کہ "یَا رَبِّ فَدَیْتُ لَکَ نَفْسِیْ وَرَضِیْتُ بِقَضَائِکَ فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ"۔ "اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنی جان تیری رضا کیلئے پیش کر دی تو اس کو قبول فرمائے"۔ اس طرح جو کوئی "الفقر" کی منزل سے قریب ہو جاتا ہے اس کا ہر عضو اس سے اپنا حصہ بمقدارِ طاقت لیتا رہتا ہے۔ تب تمام حواس جمال کے بندش میں آجاتے ہیں۔ زبان غیر کی سرگوشی سے گنگی ہو جاتی ہے۔ کان کسی اور کے کلام سننے سے بہرے ہو جاتے ہیں۔ آنکھ ماسوائے کے دیدار سے اندھی ہو جاتی ہیں۔ دل اس کی یاد کے سوا دھڑکنے سے انکار کر دیتا ہے۔ محبت اپنی شعاعوں سے اس کی عقل کی آنکھ کے نور کو اچک لیتی ہے۔ پھر نورِ عقل سر کی آنکھ کی پتلی پر چمکتا ہے۔ اور پھر وہ وہ باتیں دیکھ لیتا ہے کہ جن کا موقعہ انکھوں سے چھپا ہوا ہوتا ہے اور نیمول سے اس کا تصور مشکل ہوتا ہے۔ جو کوئی باطن "فقر" کے ساتھ ملاقات نہیں کرتا وہ ظاہر میں بھی اس منزل پر قائم نہیں رہ سکتا۔ اس لئے ظاہر و باطن کا ایک ہونا ضروری ہے۔ یعنی باطن میں جیسے جیسے اس کی ترقی ہوتی رہتی ہے وہ ظاہر میں بھی اپنی حالات کو بدل لیتے رہنا چاہیئے۔ یہ ہر ایک سے اپنے پرائے سے اور خلقت سے نہ کوئی لگاؤ رکھتا ہے اور نہ ہی کوئی ناطہ۔ نہ یہ کسی سے ہے اور نہ ہی کوئی اس سے ہے۔ یہ تو ایک تنِ تنہا ہے۔ ایسی ہی اس کی منزل ہوا کرتی ہے۔

حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج میں حق سبحان تعالیٰ کے حضور میں پہنچے اور وہاں پر "سُلطَانُ الفَقر" سے ملاقات ہوئی۔ اور حق سبحان تعالےٰ اپنے محبوبؐ کو اپنے قریب سے قریب کیا۔ اللہ ربّ العٰلمین کے پاس ایک بارِ امانت تھی۔ جسے وہ اپنے پیارے حبیب پاکؐ کو عطا کرنا چاہتا تھا۔ آقائے دو عالم سردارِ انبیاء حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم جب حق سبحانہٗ تعالیٰ سے بغلگیر ہوئے۔ اللہ ربّ العزّت سے وہ بارِ امانت آپؐ میں آ گئی۔ آپ سر سے پاؤں تک الفقر سے لپٹ گئے۔ اُس وقت آپؐ کا وجودِ مبارک فقر کے وجود میں بدل گیا۔ اور آپؐ بہت ہی مست ہو گئے اور اللہ تبارک و تعالیٰ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو "الفقر" کی امانت سے سرفراز کر کے فرمایا "اے میرے حبیبؐ تمہیں کونسی چیز ناپسند ہے تاکہ وہ آپؐ سے دُور کر دیجائے آنحضرتؐ نے عرض کیا یا باری تعالیٰ "دنیا" کیونکہ تو بھی اس سے نفرت کرتا ہے۔ جو دُنیا کو چاہتے ہیں وہ اندھے ہیں، وہ لوگ دُنیا کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں۔ میں نے اچھی طرح سے اس سے واقف ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "جاؤ میرے حبیبؐ یہ آپؐ سے دُور کر دی گئی۔ اُسی وقت آنحضرتؐ نے دُنیا کو تین طلاق دی، اور "الفقر" کی امانت کو حاصل کیا۔

حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج کی رات آسمانوں پر پہنچے تو حضرت جبرئیلؑ نے دونوں جہاں اور اٹھارہ ہزار مخلوق کو آراستہ و پیراستہ کر کے دکھایا، لیکن آنحضرتؐ نے آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا، جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی" اور نہ آنکھ چوکی اور نہ نافرمانی کی۔ جب آقائے نامدارؐ عرش کے اوپر قابِ قوسین پہنچے تو ہر دو کے درمیان پیاز کے چھلکے کا سا پردہ رہ گیا۔ جب حبیب پاکؐ بالکل قریب پہنچے تو باری تعالیٰ سے ندا آئی۔ اے میرے حبیبؐ دونوں جہاں اور اٹھارہ ہزار مخلوق میں سے کونسی چیز پسند آئی تاکہ آپؐ کی نذر کر دی جائے آنحضرتؐ نے عرض کیا کہ مجھے ان میں سے کسی چیز کی چاہت نہیں۔

میں نے تو آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھی، اللہ ربّ العٰلمین "سلطان الفقر" کے عالم میں تھے۔ آنحضرتؐ نے "سلطان الفقر" کو دیکھا تو آپؐ نے عرض کیا کہ مجھے "فقر" عطا کیا جائے کیونکہ فقر کے برابر کسی چیز کو قربِ الٰہی اور "فنا فی اللہ" حاصل نہیں۔ اور ایسا قرب بھی کسی اور چیز سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور جو ظاہر و باطن میں اس کو دیکھتا ہے وہ صاحب اختیار ہو جاتا ہے۔ اور ہمیشہ کیلئے "لا یحتاج" کی منزل پہ ہوا کرتا ہے

حق تعالیٰ نے فرمایا "اے میرے حبیبؐ اور قریب ہو جاؤ۔ دونوں میں وصال ہوا اور دونوں کا ایک ہی رنگ رہا۔ حضور پُرنورؐ سلطان الفقر کے رنگ میں ڈوب گئے اللہ ربّ العٰلمین اس کے ساتھ ہی رحمت العٰلمینؐ کو خود اپنے دستِ مبارک سے سلطان الفقر کے فرقہ و دستار سے سرفراز فرمایا۔ اور نعمتوں میں آپؐ کو "کچکول" عطا کر کے فرمایا یہ آپؐ کیلئے اور آپؐ کے فقراء و درویشوں کیلئے اور اہلِ بیتؓ کے لئے بھی انمول نعمت ہے آنحضرتؐ نے باری تعالیٰ کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور الفقر کے رنگ میں رنگین وہاں سے آئے۔ اور اپنے اصحابؓ میں اسکی تعریف کیا کرتے اور فرمایا۔ "صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَتُهٗ"۔ یہ اللہ کا رنگ ہے اور کون ہے جو اللہ کے رنگ سے اچھا رنگ سکے۔

حضور پُرنورؐ جب الفقر کے رازوں سے آگاہ ہو گئے تو آپؐ نہ صرف اس کو اپنے آپؐ میں سما لیا بلکہ اس سے اتنی چاہت و محبت رہی کہ ہمیشہ اس پر ناز کیا کرتے تھے، اور آپؐ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ الفقر میرا ہی ایک وجود ہے اور مجھ سے ہے۔ جو کوئی بھی اس میں شامل ہو جائیگا وہ میرے بالکل قریب ہو جائیگا۔ آپؐ کا فرمان ہے کہ "اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ وَالْفَقْرُ مِنِّیْ" فقر پر مجھ کو ناز ہے کیونکہ فقر مجھ سے ہے"۔

آنحضرتؐ نے اس بارِ امانت کو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو عنایت فرمایا۔ اور فرمان جاری ہوا کہ "اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُهَا۔" "میں علم کا شہر ہوں تو علی اس کا دروازہ ہیں"۔ اسی لئے ہر سلسلے کے فقراء کے راہبر حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ ہیں۔ جو کچھ بھی نعمت ملی وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملی۔ جب الفقر کا

تاج حضرت علیؓ کو عنایت کیا اور اس کے بھیدوں سے واقف فرمایا گیا تو حضرت علیؓ بے قابو ہو گئے اور نعمتِ الفقر میں اتنے مست ہو گئے کہ اپنے آپ کو راہِ خدا میں ستر بار فروخت کیا اور آپؓ نے کبھی بھی سائل کو خالی جانے نہیں دیا۔ فقر کی راہ میں چلنا گویا اپنے نفسوں کے ساتھ جہاد کرنے جیسا ہوتا ہے۔ اور نفس کے ساتھ جہاد کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ یہ جہاد کافروں سے جہاد کرنے کی نسبت بہت مشکل ہے۔ کیونکہ نفس کے ساتھ جہاد کرنے میں سب سے زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ اس لئے حضور پُرنورؐ نے نفس کے ساتھ کے جہاد کو جہادِ اکبر فرمایا اور ایسا کرنے کی تاکید فرمایا کرتے۔ "رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ۔ چلو اب ہم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف لوٹیں اصحابؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہادِ اکبر کیا ہے تو آپؐ نے فرمایا۔ جہادِ اکبر نفس کے ساتھ کے جہاد کو کہتے ہیں۔ آپؐ ہمیشہ اپنے خاص خاص اصحابؓ سے الفقر کے متعلق اور اس کے بلند درجات کے متعلق کہا کرتے اور فرماتے "اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ وَالْفَقْرُ مِنِّیْ وَبِهٖ اَفْتَخِرُ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ" فقر پر مجھے ناز ہے کیونکہ فقر مجھ سے ہے اور اسی ہی کی بدولت مجھے انبیاء پر فخر حاصل ہے"

الفقر کی منزل کی طرف بڑھتے ہوئے فقیر کی یہ نشانی ہوتی ہے کہ وہ دُنیا سے بیزار اور دست بردار ہو جاتا ہے اور اپنی ضرورت کی کسی چیز کا وہ محتاج نہیں رہتا اس کو خود اپنی ہستی کی ضرورت کی فکر رہتی ہے اس کے بعد بقاء اور ثبات کیلئے اپنی جسمی ضرورت کی طرف توجہ کرتا ہے۔ جو فقیر کوشش کے باوجود دنیائی ماحول سے نہیں نکل پاتا وہ تو صرف نام کا ہی فقیر رہتا ہے اور اصل مقام سے بہت دُور۔ جو اس منزل سے آگے نکل آتا ہے۔ وہ دُنیا اور دُنیا کے اسباب سے ہمیشہ بے نیاز رہتا ہے۔ اُس کے پاس صرف مولیٰ ہی کی چاہت رہتی ہے ایسا ہی فقیر الفقر کی منزل کی طرف قدم بڑھاتا ہوا اپنی منزلِ مقصود کی طرف بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ جس فقیر کے دل میں مولیٰ کی محبت اور اُسکے قرب کی چاہت رہتی ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کا

ہو جاتا ہے۔ "اَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ" میں اُس کا ہمنشیں ہوں جو مجھے یاد کرے فقیر کا دل ہمیشہ مطمئن رہتا ہے۔ اور وہ اپنے آپ کو اللہ تعالےٰ کے سپرد کئے ہوئے ہوتا ہے۔ اللہ پاک کا فرمان ہے کہ "وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ" میں اپنا کام اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔ واقعی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا بہت خیال رکھنے والا ہے اس سے معلوم ہوا کہ فقیر اہلِ خدا ہوا کرتا ہے اور اپنے سلوک مذکورہ سے امور وجود سے منکشف کر کے عین بعین دیکھتا اور دکھاتا ہے۔ کامل فقیر اگر ظاہر میں لوگوں میں بیٹھتا اور گفتگو بھی کرتا ہے تو اس کی گفتگو کو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ان سے گفتگو کر رہا ہے۔ اللہ والوں کی روحیں یہ خیال کرتی ہیں کہ وہ ہم سے مخاطب ہے اور اولیاء اللہ کے ارواح یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہم سے گفتگو کر رہا ہے اور موکل فرشتے جانتے ہیں کہ وہ ہم سے بات کرنے میں مصروف ہے۔ کیونکہ کامل فقیر کا کلام الفقر کا کلام ہوتا ہے۔ اور الفقر کا کلام اللہ کا کلام ہے۔

اس منزل پر ایک مثال پیش ہے۔ لیجئے اس پر بھی توجہ فرمائیں، حضرت منصور حلاج رح ہمیشہ مست رہا کرتے تھے اور اکثر خلقت سے کنارہ ہی رہا کرتے تھے۔ اور الفقر کے رنگ میں ایسا رنگے ہوئے تھے کہ بس سب پردے چاک ہو چکے تھے۔ آپ کا وقت ہمیشہ عبادت و ریاضت میں ہی گزرا کرتا تھا اور تنہائی ہی میں لذت پاتے تھے۔ آپ "اِنَّنِیْ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا" کی ذکر کثرت سے کیا کرتے تھے۔ اس ذکر کے رمز اور اس کو تہہ تک پہنچے تو آسمانوں کی بلندیوں کو پرواز کر گئے۔ جب وہاں پہنچے تو ندا آئی "جدھر بھی تم منہ پھیرو گے اُدھر ذاتِ خدا ہی موجود ہے" جب یہ ندا سُنی تو آپ واپس زمین کے خطہ کی طرف اتر آئے آپ رح نے اپنی مرضی سے وہ چیز طلب کی جو کہ سمندر کی تہہ میں آگ سے بڑھ کر عزیز ہے۔ آپ جب اپنی باطنی بصیرت سے دیکھا تو سوائے اثار کے اور کچھ نہ پایا۔ اس وقت خوشی ہی خوشی ہوئی اور کل رموز سے آشنا ہوئے

اور اپنے قلب کی زبان سے آواز آنے لگی "اَنَا الْحَقّ اَنَا الْحَقّ" "میں ہی حق ہوں میں ہی حق ہوں"۔ لیکن یہ اعلان اور یہ للکار انسان کی عادت کے برخلاف تھی ۔ وجود کے باغ میں ایسی آواز کا بجانا جو بنی آدم کے حق نہ تھی، اس لئے جس طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے آپ کو راہِ خدا میں ستّر مرتبہ فروخت کر کے لذّت حاصل کی تھی اسی طرح آپؒ نے بھی اپنے آپ کو اُس کی الفت میں سُولی پر چڑھانے اور وجود کو مٹانے میں لذّت پائی۔ کیونکہ آپ اس راز سے واقف تھے، کہ منزلِ الفقر کی راہ میں کوئی سر کٹوایا ہے تو کوئی کھال کھنچوایا ہے اور کوئی اپنے آپ کو فروخت کر ڈالا۔ اس منزل کی راہ میں یہ سب کچھ ایک ادنیٰ قربانیاں ہیں کیونکہ اس راہ میں مرنے مٹنے والوں پر فنا اور بقا کے پردے اُٹھ چکے ہوئے ہوتے ہیں۔

فقیر جب اس رمز سے واقف ہو جاتا ہے کہ فنا کیا ہے اور بقا کیا ہے تو ہر آن فنا و بقا ہی کے کھیل میں کھیلتا رہتا ہے۔ ہر آن فنا ہے تو ہر آن بقا ہے فقیر جب تک اس فنا و بقا کے رمز سے واقف نہیں ہو جاتا وہ ڈر اور خوف کے دائرے میں ہوتا ہے۔ اور اندھیرے سے گھبراتا ہے۔ اندھیرے میں ایک پتّے کی آہٹ سے بھی ڈر جاتا ہے۔ جو فقیر حقیقت سے واقف رہتا ہے اس کے پاس ڈر اور خوف والی کوئی چیز نہیں رہتی۔ کیوں کہ وہ دل کو ہر قسم کے خطرات سے پاک رکھتا ہے اور اس کا دل مطمئن رہتا ہے۔ جب وہ فنا و بقا سے واقف ہو جاتا ہے تو اس کا قلب، قلبِ سلیم رہتا ہے۔ قلبِ سلیم کو صرف اس وقت قرار ملتا ہے جبکہ ہر خواہشات و خطرات سے وہ آزاد ہو۔ اور فنا و بقا کے رمز سے پوری طرح واقف ہو، فنا و بقا کے علم کو حاصل کر لینے کے بعد جب عبادت میں بیٹھتے ہیں تو یکسوئی حاصل ہوتی ہے، اور یکسوئی میں ایسا مست رہتا ہے چاہے موذی جانور ہی گلے میں آ کر کیوں نہ لپٹ جائے، اُس کی عبادت میں کچھ بھی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ اس کا قلب فنا کی منزل سے مکمل طور پر آگاہ ہو چکا ہوتا ہے۔ اس منزل پر پہنچے ہوئے اس بات سے بخوبی واقف رہتے ہیں کہ ایک جانب جب ہر شئے

فنا میں ہے تو ایک جانب سے ہر شئے کو بقا ملتی رہتی ہے۔ ایک جانب چرند، پرند درند، نباتات و جمادات ہر ذی روح و انسان، سب کے سب فنا کی منزل کی طرف جا رہے ہیں تو ہر آن اُن کیلئے فنا ہے اور فنا ہو رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ دوسری طرف دیکھیں تو ہر شئے کیلئے بقا مل رہی ہے اور بقا ہی بقا موجود ہے۔ ایک طرف موت ہو رہی ہے تو دوسری طرف زندگی بھی پا رہے ہیں۔ یہ کھیل ازل سے کھیلا جا رہا ہے اور ابد تک بھی یہی کھیل ہوتا رہیگا۔ اس کھیل میں کون مرتا ہے اور کون حیات پاتا ہے اس بھید سے واقف ہو جائے تو پھر کسی قسم کا خوف نہیں جو شکلیں بنتے ہیں وہ مٹتے بھی رہتے ہیں۔ اور شکلیں بدل بدل کر وجود میں آتے بھی رہتے ہیں۔ شکلیں تو بدلتے رہنے والے ہیں لیکن ذات اور ذات کی شکل نہیں بدلتی۔ جو کوئی اس رمز سے واقف ہے اور ذات کی حقیقت سے واقف ہے وہ امر ہے۔ اس کی شکل بھی قائم ہے اور ہمیشہ اسی شکل میں رہتا ہے "کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ وَّیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ"۔ اس فرمانِ خداوندی میں فنا و بقا کی دونوں منزل کی بات آئی ہوئی ہے۔ اور اُن کی حقیقت سے بھی آگاہی کی گئی ہے۔ ایک طرف ہر شئے فنا ہونے والی ہے کہا گیا ہے، تو دوسری طرف بقا "وجہہ" بھی کہا گیا ہے۔ "وجہہ" کے معنیٰ چہرہ یا صورت یا ذات کے ہوتے ہیں جو ہمیشہ قائم رہتی ہے۔ سب کچھ فنا ہو جائیگا سوائے ذات کے، وجود میں ذات کیا ہے اور اس کا مقام کہاں ہے اور ذات قائم و دائم کیسے رہتی ہے۔ ان رمز کو صرف عارف باللہ ہی پا سکتے ہیں اور یہ ہر کسی کے سمجھ کی بات نہیں ہے رازداروں کی خدمت کر کے پاتا ہے۔

لیجئے کچھ آسان کر کے اس بھید کو سمجھیں گے۔ جب ذات موجود ہے یعنی وہ صورت جو ذات میں چھپی ہوئی ہے۔ وہ موجود ہے تو اس کو فنا نہیں ہے۔ یہ ہمیشہ بقا ہی بقا رہتی ہے اگر ذات باقی رہ گئی تو پھر کُل وجود یا جسم کا ظہور میں آنا مشکل کام نہیں جیسے ایک دانہ ایک صورت ہے کل جسم نہیں لیکن ایک درخت یا پیڑ ایک کل جسم ہے۔ اگرچہ کہ کُل درخت یا پیڑ فنا ہو گئے اور فنا انہیں آگئی لیکن دانہ باقی رہ گیا ہے تو اس سے

بالکل ممکن ہے کہ درخت یا پیڑ کو وجود میں لا لیا جائے۔ کیونکہ دانے میں درخت پوشیدہ ہے، اور جب چاہے ان کو وجود میں لایا جا سکتا ہے۔ یہی رمز "کُلُّ من علیھا فان و یبقیٰ وجہ ربّک ذو الجلال والاکرام" میں پوشیدہ ہے۔ یہ حق بات ہے کہ وجہہ کو فنا نہیں ہے وہ تو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی، تو پھر بقا ہی بقا رہی فنا کہاں ہے؟ ذات موجود، بقا موجود، دانہ موجود، تو درخت موجود ہے۔ ایک طرف ہر آن ہزارہا انسان و دیگر ذی روح مر رہے ہیں، تو اسی آن ہزارہا انسان اور دیگر ذی روح پیدا بھی ہو رہے ہیں۔ اس رمز سے جو آشنا ہیں وہ تو ہمیشہ یہ خوب جانتے ہیں کہ کون آیا اور کون گیا، اور کون گیا اور کون آیا ہے۔ صرف شکلیں بدل رہے ہیں اور کوئی فرق نہیں۔ "کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ"۔ ہر ایک شئے ختم ہو جائیگی سوائے ذاتِ واحدہٗ کے۔ جب وجہہ موجود ہے سب کچھ موجود ہے اور وجہہ کو تو (نعوذ باللہ) کوئی فنا نہیں ہے۔ فقیر جب اس منزل کو حل پاتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ جس طرف بھی وہ اپنا منہ پھیرتا ہے اُدھر ذات ہی ذات موجود ہے۔ "فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ" تم جس طرف بھی اپنا منہ پھیر لو اُدھر اللہ کا چہرہ (ذات) موجود ہے۔

● **آیئے کچھ اور رمز کی گہرائی میں چلیں** پہلے فنا ہے یا بقا اس پر بھی کچھ توجہ دیں۔ ذات تو امر ہے اور یہ قائم و دائم بھی ہے۔ اس میں کبھی فرق آیا ہے اور نہ ہی آئے گا لیکن ہر شئے کو وجود کے اعتبار سے پہلے موت ہے اور اس کے بعد زندگی۔ اور اس کے بعد موتِ ثانی اور پھر حیاتِ ثانی۔ یعنی موت یا فنا یہ ہے کہ جہاں میں ابھی آیا نہیں، ابھی برزخ ہی میں موجود ہے۔ عالمِ برزخ میں پڑا ہوا ہے ابھی جان نہیں آئی۔ اور نہ ہی باپ کی پیٹھ سے ماں کے رحم میں آیا ہو اس وقت "معدوم الوجود" ہوتا ہے۔ پہلے بغیر جان کے ایسا مرا پڑا ہوا ہوتا ہے جیسے کہ آدم ابھی مٹی اور پانی کے درمیان ہوں اور جب اس میں جان آتی ہے تو اس کو زندگی ملتی ہے۔ زندگی ملنے کے بعد وہ عالمِ برزخ میں سیر کرتا رہتا ہے۔ ہزار سا منازل کی سیر

کرتے ہوئے۔ کئی حجاب کے پردے اٹھاتے ہوئے نقطہ نیچے اوپر سے نیچے کی طرف رواں دواں ہوتا ہے اور جب نقطہ اوپر نیچے ہوتا ہے تو اس میں ایک عجیب اسرار چھپا ہوا ہوتا ہے "جب نقطہ اوپر تھا تو "خدا" تھا اور جب وہی نقطہ نیچے آیا تو "جدا" ہوا۔ اور پھر جب کہ "عدم" کے پردے سے "شہود" کے محل میں اترتا ہے تو وہ اپنے منازل کو "فوق العرش" سے آسمانوں پر لاتا ہے۔ اور یہاں اس کے وجود میں کئی ہزار تبدیلیاں آنے لگتی ہیں اور اسرار سے بھرپور ہونے لگتا ہے۔ یہیں پر قدرت بھی سمانے لگتی ہے اور راز۔ رازدار میں سما جاتا ہے۔ یہاں پر مکمل ایک شکل اختیار کرنے کے بعد جب زمین پر آتا ہے تو عاجزی و معبودی کے ساتھ سر کے بل آتا ہے تاکہ حیاتِ ثانی سجدے سے شروع ہو، چند روز خلعت کو پہن کر سو سال یا اس سے کم و بیش کی طبعی عمر کو پہنچتا ہے اس کے بعد دوسری موت پیش آتی ہے۔ یہ پہلی موت کونسی اور یہ دوسری موت کونسی ہے اہلِ تصوّف اس کی حقیقت کو اپنی حیاتِ زندگی ہی میں پا لیا کرتے ہیں۔ اللہ پاک کے فرمان کے تحت "مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا" موت سے پہلے کی موت یعنی مرنے سے پہلے مر کے دیکھ۔ اس مرنے سے پہلے مرنے اور جینے، پھر مرنے اور جینے کے کھیل میں جو زندگی چھپی ہوئی ہے بھیدی اس بھید سے بھی واقف ہو جاتا ہے اور یہ بھی معلوم کر لیتا ہے کہ وہاں کا مرنا یہاں کا جینا ہے اور یہاں کا مرنا وہاں کا جینا ہے۔ وہاں پر ہے تو بھی دیدارِ مولیٰ میں اور یہاں آتا ہے تو بھی دیدارِ مولیٰ میں ہی رہتا ہے۔ یعنی دیدارِ مولیٰ میں جیتا ہے اور دیدارِ مولیٰ ہی میں مرتا ہے۔ تو ایسی موت، موت نہیں حیات ہوتی ہے۔ اور جب وہ اس خاکی بدن کو چھوڑ کر عالمِ بقا کی طرف پرواز کرتا ہے اور ظاہراً اسکا وجود اس جہاں سے نابود ہو جاتا ہے اور پھر موت کے بعد دوسری زندگی حاصل کر لیتا ہے۔ فرمانِ خداوندی ہے کہ "اَنَّہٗ ھُوَ یُبْدِئُ وَیُعِیْدُ یعنی۔ یقیناً وہی پہلے پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا" اس کی پیدائش اس کے اعمال کے تحت ہوا کرتی ہے۔ اگر اس کو دائمی زندگی ملتی ہے تو پھر کبھی موت نہیں، حیات ہی

حیات رہتی ہے۔ بس یہ عارضی زندگی دو عدم کے درمیان واقع ہے۔ عدم اوّل کی ابتدا اور عدم ثانی کی انتہا "یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ" زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ اس بھید کو سوائے کاملوں کے کوئی اور نہیں پا سکتا اور اس راز کی تہہ تک پہنچنا بھی صرف انہیں کا حق ہے کیونکہ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ "مرنا عالمِ بطون میں عالمِ ظاہر میں پیدا ہونا ہے"۔ اور عالمِ ظاہر میں مرنا عالمِ بطون میں پیدا ہونا ہے"۔ عارف باللہ جب اس رمز سے واقف ہو جاتا ہے تو اس کی ہستی مجازی جاتی رہتی ہے اور ہستی حقیقی منہ دکھاتی ہے۔

"فنا فی الوجود" میں ہی وہ راز پوشیدہ ہے جو منزل الفقر تک پہنچاتا ہے۔ جب تک مجازی ہستی فنا نہیں ہوتی اور جو پردے درمیان میں پڑے ہیں وہ اُٹھ نہیں جاتے ہستی حقیقی کی دیدار کیسے ممکن ہے۔ وجود کا پردہ ہی تو سب سے بڑا پردہ ہے۔ جو لذت اس کے مٹانے اور بنانے۔ مٹانے اور بنانے میں موجود ہے وہ اور میں کہاں۔ "اَلْفَقْرُ عَدَمٌ بِلَا وُجُوْدٍ" فقر نیستی سے ہے ہستی سے نہیں" جب فقیر اس منزل میں ثابت قدم رہتا ہے اور دیدارِ الٰہی سے مشرف ہوتا رہتا ہے۔ تب ہی تو اسکو قرار ملتا ہے۔ اور جب تک دیدار نہیں ہو جاتی وہ تو بیقرار ہی رہتا ہے "اَلْفَقِیْرُ مَنْ لَا یَسْتَغْنِیْ بِشَیْءٍ دُوْنَ اللّٰہِ" یعنی فقیر کو کسی شئے سے قرار نہیں۔ سوائے اللہ کی دیدار کے"۔ اس منزل پہ فقیر کی بیقراری بھی عبادت سے خالی نہیں کیونکہ اس کی بیقراری مولیٰ کی طلب کیلئے ہے۔ اور فقیر اس منزل پر پہنچنے میں ذکر و اذکار اور تفکر کے مقامات کو طے کیا ہوا ہوتا ہے، اور اپنے وجود کو اور دل و دماغ کو حرکت میں لاتا ہے۔ فقیر کی اصل عبادت تو "حبس دم" کے ذریعے ہوا کرتی ہے، اور اس عبادت میں سانس کی مشق ہی تو اصل ہے اور اسی پر مکان سے لامکان اور لامکان اور لامکان سے مکان کی پروازی منحصر ہوا کرتی ہے۔ کیونکہ ماضی اور حال اور مستقبل کے حالات سے واقف ہونے کیلئے اس سے بڑھ کر اور کوئی راہ نہیں۔ لیکن اسکے مشق سے بخوبی واقف رہنا چاہیئے اور اس منزل پر راہبر کی راہبری کی سخت ضرورت ہوا کرتی ہے۔ ورنہ وجود کی رگیں پھٹ پڑتی ہیں اور ادھوری منزل پر ہی فوت ہو جاتا ہے۔

اور اگر اس تفکر و عبادت میں کامیابی مل جاتی ہے تو اس سانس کی مشقوں سے دماغ کے باریک باریک ریشوں کو سکون حاصل ہوتا ہے اور جب قوتِ توجہ بہت ہی بڑھ جاتی ہے اس وقت "حق تعالیٰ" اور "بندے" کے درمیان جو ان گنت پردے پڑے ہوتے ہیں وہ پردے ایک بعد دیگر اُٹھنے لگ جاتے ہیں۔ اور بہت ہی عجیب و غریب نظارے و جلوے دکھائی دینے لگتے ہیں جو روح کو تازگی اور سکون دیتے ہوئے اور بلند سے بلند مقامات پر پہنچاتے رہتے ہیں۔ اور دیدارِ الٰہی سے مشرف ہونے لگ جاتے ہیں۔ اس مشق میں اور بھی بہت سے فائدے پوشیدہ ہیں جو قلب سے زیادہ دماغ میں نمودار ہوتے رہتے ہیں۔ اور فقیر ان جلوؤں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے جن کو وہ کبھی نہیں دیکھا اور جانتا تھا۔

ہاں اس منزل میں بہت توجہ رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور ہر حال و حالت کو خیر و شر کی ترازو میں تول لیتے رہنا چاہیئے۔ ورنہ شیطانی قوتیں گھر کر لیتی ہیں اور راہ بھٹک جاتی ہے۔ اس منزل کو بخوبی سمجھنے کیلئے اس مشق سے جو خیالات پیدا ہوتے ہیں وہ کسی راہ لیتے جا رہے ہیں۔ اور کونسے حالات کی خبر دے رہے ہیں۔ ان کی گہرائی سے جانچ لیتے رہیں تو اصل منزل اور مقام کی خبر بھی ہوتی رہے گی۔ ورنہ شیطان اپنا کام کر جاتا ہے اور شیطانی فطرتیں لگ جاتی ہیں۔ اور اگر تفکر و عبادت کی منزل خیر کی طرف رواں دواں ہے تو پھر اسکی روح سیر کرتی ہوئی منزل بہ منزل طے کرتی رہتی ہے۔ جب عمل ٹھیک ہو رہا ہے تو ایسا معلوم ہوتا رہتا ہے کہ کوئی انجانی طاقت اپنے اندر منڈلاتی رہی ہے۔ اور وہ دماغ اور "اُمّ الدماغ" کی منزل کو پانے کیلئے چکر لگاتے لگاتے اوپر ہی اوپر پرواز کر رہی ہے۔ "دَاعُ نَفْسِكَ تَعَالَ"۔ نفس کو چھوڑ کر اوپر آ جا۔ اور جب یہ نفس کے مقام کو چھوڑ کر اوپر کی طرف آنے لگتی ہے تو ریڑھ کی ہڈیوں میں سیر کرتی ہوئی قلب کے سات چکر لگاتی ہے۔ اور یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ اور بھی پرواز پر ہے۔ "دَاعْ قَلْبَكَ تَعَالَ"۔ قلب کو بھی چھوڑ کر اوپر آ جا۔ اور حقیقت روبرو آتی ہے۔ حقیقی مشق کرنے والا فقیر ان سب منازل کو کبھی اپنے ہوش و حواس میں دیکھتا رہتا ہے تو کبھی مراقبہ

ومشاہدہ میں محسوس کرتا اور دیکھتا رہتا ہے۔ اور جب منزل نفس اور قلب کے مقامات کو طے کر کے جب "دَعْ رُوْحَكَ تَعَالٰی" پر آتی ہے۔ یعنی روح کو بھی چھوڑ کر اوپر آجا" جب اس منزل کی کامیابی ہوتی ہے تو سر کے پہلے حصے میں کچھ اثرات محسوس ہونے لگتے ہیں۔ اور "وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ" والی منزل روشن ہو جاتی ہے۔ اس مقام پر بھی بہت ہی عجیب و غریب جلوؤں کے نظارے ہوتے ہیں اور اسی مقام میں آسمانوں کی سیر اور وہاں کے حالات کی آگاہی ہوا کرتی ہے۔ اور ان مقامات کے ارواحوں سے ملاقاتیں بھی ہوا کرتی ہیں۔ اور جب اس مقام سے بھی اوپر کی سیر ہوتی ہے تو پیشانی کے اندرونی حصے میں یعنی لوح محفوظ میں عجیب کشمکش ہونے لگتی ہے اور اس منزل کے بعد جیسے جیسے اوپر کی طرف پرواز ہوتی ہے، جسم معدوم ہوتا ہوا محسوس ہوتا ہے اور آنکھوں کے روبرو ایک اندھیرا سا چھا جاتا ہے اور جب ظاہری نظر کو موند لیتے ہیں تو باطنی محل میں قسم قسم کی آوازیں آنے لگ جاتے ہیں۔ اور کئی شکلیں بنتی بگڑتی نظر آتی رہتی ہیں۔ اور اس مقام پر بہت ہی ثابت قدم رہنے کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ اس منزل کے بعد "نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ" کا مقام ہوتا ہے۔ اس مقام پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک روشنی اپنے آپ سے ظاہر ہونے لگ رہی ہے۔ اور یہی روشنی شکل پکڑتے ہوئے دکھائی دیتی ہے۔ اور بنتے بنتے وہ خود کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور خلاء میں تیرنے لگتی ہے اور تیرتے تیرتے کبھی وہ وجود کے قریب آتی ہے۔ تو کبھی دور جاتی رہتی ہے۔ اور قوتِ باطنی اگر مضبوط ہے تو وہ شکل خود کے روبرو آکر ایسے بیٹھ جاتی ہے۔ جیسے کہ کوئی اور شخص آکر روبرو بیٹھ گیا ہو یہ منزل بہت ہی اعلیٰ منزل ہے۔ اور یہ منزل "کُنْ فَیَکُنْ" کا مقام رکھتی ہے۔ یہاں دماغ میں جو بھی ارادہ پیدا ہوتا ہے وہ فوراً شکل پکڑ لیتا ہے۔ اور اس نورانی شکل سے ہر ایک کا وجود ظاہر ہوتا رہتا ہے حکم کے ساتھ ہی عمل ہوتا رہتا ہے۔ اس مقام میں رہنے والا یکسوئی یعنی "حَنَفَاءِ" کی منزل پر رہتا ہے اور کبھی کبھی حکم کی بھی ضرورت نہیں ہوا کرتی۔ خیال کے دائرے میں جیسے ہی کوئی شکل آئے وہ ظاہر ہو کر روبرو آتی رہتی ہے۔ ایسی منزل پر رہنے والے کے لئے یہ کوئی مشکل امر نہیں کہ جب چاہیے وہ اس نورانی وجود کو باہر نکالے اور جب چاہے اس کو اپنے اندر ضم کر لیں اور یہ بھی اس کیلئے ممکن ہے کہ بیک وقت ایسی کئی شکلیں پیدا کر سکتا ہے۔

اور جس عالم کی چاہیں اُسی عالم کی سیر کر لیتا ہے اور اپنے وجود کے ساتھ ایک مقام سے دوسرے مقام کا سفر آن کی آن میں کر کے واپس آ سکتا ہے۔ اس منزل کو کُلِّ شَیْءٍ مُحِیْط اور لَا اِحْتِیَاج بھی کہتے ہیں۔ اَلْفَقْرُ لَا اِحْتِیَاجَ اِلٰی نَفْسِہٖ وَلَا اِلٰی رَبِّہٖ" فقیر کو اپنے نفس کی احتیاج ہے اور نہ اپنے رب کی" یہی اس کا اصل مقام ہے اور یہی اسکی منزل یہ سب اشارے بہت دقیق ہیں۔ اور سمجھ داروں کیلئے ہیں۔ فقیر جب اَلْفَقْرُ کے اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو تصوف کے دائرے سے یہی منزل۔ منزلِ لَا بھی ہے۔ اس منزل کو منزلِ لَا اس لئے بھی کہتے ہیں کہ کبھی وہ اپنے وجود میں رہتا ہے اور کبھی وجود کے باہر اور کبھی اپنے وجود کے ساتھ ایک مقام پر رہتا ہے تو کبھی وجود کے ساتھ ہی دوسرے مقام میں بھی رہتا ہے۔ یہی مقام لَا کا ہے اس کی مثال کچھ ایسی ہے کہ کوئی ھند میں رہے اور مغرب کی نماز کیلئے کعبہ شریف جائے اور وہاں پر نمازِ مغرب ادا کر کے پھر واپس ھند میں اپنے مقام پر حاضر ہو جائے اور عشاء اپنے مقام پر ادا کریں۔ اس منزل پہ رہنے والے کیلئے یہ سب آسان ہوا کرتا ہے۔ اس مقام پہ رہنے والے کی ایک کیفیت یہ بھی ہے کہ وہ الفقر کی گہرائی میں اتنا ڈوبا رہتا ہے اور اپنے آپ کو اس منزل میں اتنا فنا کیا ہوا ہوتا ہے کہ جب وہ لَا کہتا ہے تو غائب ہو جاتا ہے۔ اور جب اِلّٰہ کہتا ہے تو حاضر ہو جاتا ہے۔ یہ منزل بہت بلند ہے لَا کا معنیٰ نہیں اور اِلّٰہ کا معنیٰ "ہے"۔ "یہ نہیں" اور "یہ ہے" کی منزل اور اسکے مراتب بہت ہی عجیب ہیں یہاں یہ رمز پوشیدہ ہے کہ کون "نہیں" اور کون "ہے" کیا بندہ نہیں مولیٰ ہے یا مولیٰ نہیں بندہ ہے۔ کیا خلقت نہیں قدرت ہے یا قدرت نہیں خلقت ہے۔ کیا عالمِ شہادت نہیں عالمِ غیب ہے یا عالمِ غیب نہیں عالمِ شہادت ہے۔ آخر اصل کون ہے۔ کون رہے گا۔ اور کون جائے گا۔ اور کون جائے گا اور کون رہے گا۔ یہی راز تو پوشیدہ ہیں اور یہی رمز تو وجودوں میں موجود ہے۔ کونسا وجود نہیں اور کونسا وجود ہے "واجب الوجود" "ممکن الوجود" "ممتنع الوجود" "عارف الوجود" "واحدۃ الوجود" ان پانچ وجودیں کونسا وجود ہے" اور کونسا نہیں" اور جب پانچ وجود موجود ہیں تو پھر حاضر کون اور غائب کون

کونسا وجود لَا اِحتیاج ہے اور کونسا وجود کُلِّ شَیْءٍ مُحِیط ہے۔ ان گہرے رموز کو صرف اپنے پیر و مرشدوں سے پانا ہے کیونکہ بہت سے ایسے بھی رموز ہوا کرتے ہیں جن کو تحریر میں نہیں لایا جا سکتا اور مرشد کی صحبت میں بیٹھ کر جب ان رموز پر گہری توجہ کریں تو ان رموز کا حقیقی لطف ہوا کرتا ہے اور حقیقت میں ڈوب کر ہی مخفی اسرار کو پانا ہوتا ہے۔

الغرض فقیر جب اپنے واجب الوجود کو الفقر کی منزل کی عبادت و ریاضت میں لگاتا ہے اور منزل میں پروازی کی جدوجہد سے اپنے وجودوں میں وجود بہ وجود ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ اور واجب الوجود سے ممکن الوجود، اور ممکن الوجود سے ممتنع الوجود، اور پھر ممتنع الوجود کے مقامات کو طے کر کے اور بھی منزل کو بڑھاتا چلا جاتا ہے تو وہ عارف الوجود میں داخل ہوتا ہے اس منزل پر پہنچتے پہنچتے اس کے اندر کئی قوتیں زور پکڑتی چلی جاتی ہیں۔ اور اس منزل پر پہنچنے کے بعد یہ ممکن ہوتا ہے کہ اپنے اندر کے نورانی وجود کو باہر نکال سکیں۔ عارف الوجود نورانی وجود ہے یہ وجود جب چاہے دوسرے وجودوں میں داخل ہوتا ہے، اور جب چاہے باہر نکل آتا ہے واجب الوجود تو ایک اہم وجود ہے اسی لئے عارف الوجود اور واجب الوجود میں بہت گہرا تعلق اور کشش ہوا کرتی ہے۔ اور اصل کھیل بھی ان دونوں کا ہی ہوا کرتا ہے۔ اور ان دونوں وجودوں کا آپس میں وصال ہوا کرتا ہے۔ اور اس وصال کے سبب یعنی دو وجود دو نہیں ایک ہو جایا کرتے ہیں اور ان کے وصال سے ایک اور قوت ظاہر ہوتی ہے جو اعلیٰ سے اعلیٰ ہوا کرتی ہے۔ جو "عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ مُحِیط" کی صورت ہوا کرتی ہے۔ اور یہی قوت پرواز کر کے وَاحِدَۃ الوجود تک پہنچاتی ہے۔ اور وَاحِدَۃ الوجود کی منزل ہی۔ لَا کی منزل ہے (پنج وجودوں کی تفصیل کے لئے ہمارے محب الفقر، گنج الفقر اور اسرارِ تصوف یا ھو کا مطالعہ کریں۔)

لَا کی منزل کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ جب تک لَا کو نہ سمجھیں کلمہ مکمل نہیں ہوتا۔ اور اس منزل کو سمجھنا کوئی آسان بات نہیں۔ اس کو سمجھنے سے اچھے اچھے شاہ سوار بھی عاجز ہیں ہر ایک اپنی اپنی قوت کے تحت اس منزل کے درجات کو پایا ہے۔ مکمل کلمہ کی گہرائی میں پہنچنے کا اور اسکے اسرار سے مکمل واقف ہونے کا اگر کوئی غرور یا دعویٰ کریں تو وہ جاہل اور

ناداں ہی ہے۔ مکمل کلمہ کی بات تو رہی ایک "لا" کا سمجھنا بھی دشوار ہے کیونکہ اس منزل کو مکمل طور پر سمجھنے اور پانے سے عارف باللہ بھی عاجز ہی ہیں۔ اس منزل کی تہہ تک پہنچا آقائے دو جہاں حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوائے شاید ہی کسی کو نصیب ہوا ہو لیکن ہاں اس "لا" کی منزل کی ابتدائی مقام تک بھی پہنچ ہو جائیں تو یہ بھی ایک بہت بڑی کامیابی سے کچھ کم نہیں

● آئیے! رمز کی کچھ اور گہرائی میں چلیں "لا" کی منزل

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے محمدؐ رسول اللہ ہیں

نہیں ہے (کوئی) سوائے اللہ کے محمدؐ رسول اللہ ہیں

کلمہ طیبہ کے منازل یکے بعد دیگر کچھ یوں آتے ہیں۔ "نہیں ہے کوئی معبود" "سوائے اللہ کے" "محمدؐ رسول اللہ ہیں۔ اس کلمہ میں "نہیں ہے کوئی معبود" "لا" کا مقام رکھتا ہے کیونکہ کل مقام میں "نفی" ہی پائی جاتی ہے۔ کوئی وجود، وجود میں آنے سے پہلے اسی مقام میں رہتا ہے جب "نہیں ہے" آیا ہوا ہے تو "نہیں" ہی میں "ہے" موجود ہے۔ "ہے" کے آگے اور پیچھے "ن" آ کر یعنی نور آ کر ایک راز بنکر "ہے" کو "نہیں" بنایا ہے یعنی "ہے" کے اطراف "ن" کا دائرہ موجود ہے اور "ہے" اسی "ن" کے دائرے میں چھپ گیا ہے اور اسکو کوئی دیکھ نہیں سکتا اور ظاہری نظر میں یہ قوت نہیں ہے کہ "ن" کے دائرے کو چاک کر کے "ہے" کا دیدار کر سکے۔ ہر جگہ اور ہر مقام پر رہنے کے باوجود "نہیں" کہا ہے۔ صرف "لا" کے رمز کو جاننے والا ہی دیکھ سکتا ہے کہ اس "نہیں" ہی میں سب کچھ موجود ہے۔ سب رازوں کا راز بھی مقام "لا" ہی میں پوشیدہ ہے۔ کوئی وجود وجود میں آنے سے پہلے "لا" کے مقام میں ضم رہتا ہے۔ "لا" کی منزل سے جیسے جیسے نیچے اترنے لگتا ہے شکل پکڑنے لگتا ہے۔ اپنی شکل اختیار کر لینے کے بعد وہ وجود جو "لا" کے مقام میں رہتے ہوئے اقرار کر رہا تھا کہ "نہیں ہے کوئی معبود" اب یہ اقرار کرتا ہے کہ "سوائے اللہ تعالیٰ کے" کیونکہ ہر شئے وجود

میں آکر جب دیکھتی ہے تو اس کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ تصوف کی گہرائی میں جاکر اس مقام پر توجہ کریں تو یہ مقام دوسرا مقام ہے پہلے مقام میں لا تھا اور دکھائی نہیں دیتا تھا اور اب جبکہ دکھائی دے رہا ہے تو یہ مقام دوسرا مقام رہا۔

"انا من نور اللہ تعالیٰ کل شیٔ من نوری" کے تحت دوسری منزل پر جو شئے بھی دکھائی دیتی ہے وہ نورِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے دکھائی دیتی ہے اور جب لا کی منزل سے نکل کر کوئی وجود، وجود میں آیا ہے اور روشن ہوا ہے تو وہ نورِ محمدی ہی ہے اور یہی مقام "محمد رسول اللہ" کا ہے۔ نورِ محمدی سے جب کل وجود، وجودوں میں آئے تو انہوں نے یہ اقرار کیا ہے کہ "نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں"۔

آیئے رمز کی اور گہرائی میں چلیں

کلمہ طیبہ مکمل ہوا کلمہ کی گہرائی میں جائیں اور دیکھیں تو اس کلمہ کے گھر میں بارہ ۱۲ دروازے پائے جاتے ہیں

"لا الٰہ الا اللہ" میں تین ۳ دروازے اور محمد رسول اللہ کے نو ۹ دروازے موجود ہیں "لا الٰہ الا اللہ" کے تین ۳ دروازے بند ہیں اور محمد رسول اللہ کے نو ۹ دروازے کھلے ہیں راز کو پانا ہے تو جو بند دروازے ہیں انہیں کھولنا اور کھلے دروازوں کو بند کرنا ہوتا ہے۔ تب ہی حقیقت سے آگاہی ہوتی ہے۔ اس کے عمل کو اپنے مرشدوں سے پائیں۔ کلمہ کی کنجی لا اور لا ہی میں بھید پورا ہے۔ اب یہ سمجھنا چاہیئے کہ لا کون ہے؟ کیا وہ وجود جو چل پھر رہا ہے وہ لا ہے یا وہ وجود جو اس وجود کے اندر سے باہر نکلتا اور داخل ہوتا ہے وہ لا ہے۔ اس حقیقت سے آگاہ ہو جانے والا ہی حقیقی بھیدی ہے۔ "الانسان سری وانا سرہ" انسان میرا بھید ہے اور میں اس کا بھیدی ہوں"۔ اس فرمان کا راز حقیقت لا جاننے والے پر روشن ہو جاتا ہے اور جو انسان کلمہ طیبہ کی کل کو نہیں پاتا اور اسکو تحقیق سے نہیں سمجھتا وہ تو مسلمان بھی نہیں "اقرار اللسان" اور "تصدیق القلب" ہونا بہت ضروری ہے۔ اس کے بغیر کلمہ ہزار بار بھی پڑھ لیں کافر ہی رہیگا۔ لا الٰہ الا اللہ الف مرۃ الا بتحقیق فھو کافر۔ یعنی لا الٰہ الا اللہ بغیر

تحقیق کئے کے ہزار بار بھی پڑھیں تو بھی کافر ہی رہے گا۔ اب بات یہ روبرو آتی ہے کہ آخر اس کو تحقیق کے ساتھ کیسے پڑھنا چاہیئے۔ اس کی تحقیق کون کرائے گا اور اسکے رمز سے کون آشنا کریگا۔ یہ "اقرار اللسان" کیا ہے۔ اور یہ "تصدیق القلب" کیا ہے۔

ہاں ہاں یہ سب بھید کلمۂ طیبہ میں پوشیدہ ہیں۔ مُرید کو اپنے پیر سے اور فقیر کو اپنے مُرشد سے اس کی حقیقت کو پاتا ہے۔ اور جس نے اس بھید کو پالیا اس کی زبان گنگی ہوگی۔ "کُلِّ لِسَانَہٗ"۔

● آئیے رمز کی کچھ اور گہرائی میں چلیں

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ میں بارہ ۱۲ حروف موجود ہیں۔ لیکن منزل پر منزل دوبارہ آنے سے یعنی ایک ہی حرف بار بار آیا ہے۔ تو کُل چوبیس ۲۴ ہوئے ہیں۔ جہاں بارہ (۱۲) کا بھید موجود ہے وہیں چوبیس (۲۴) کا بھی موجود ہے۔ ایک دن کے چوبیس ۲۴ گھنٹے ہوتے ہیں تو ایک دن میں ۲۴ ہزار سانس آتے جاتے ہیں۔ کلمہ کے دو ۲ جز ہیں۔ ایک میں (۱۲) بارہ یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں بارہ ۱۲ موجود ہیں تو مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ میں بارہ ۱۲ موجود ہیں۔ جو حروف پلٹ پلٹ کر آتے ہیں۔ اُن پر نظر کرتے جائیں اور حقیقت کو جمع کرتے جائیں تو کُل (۱۲) ہی رہتے ہیں۔ اور گہرا رمز بھی بارہ ۱۲ میں ہی پوشیدہ ہے۔ اس بارہ دری کے گلشن کی سیر بہت ہی ہوشیاری کے ساتھ کرنی ہوتی ہے۔

کلمۂ طیبہ کے دو جز، قرآن شریف میں ایک مقام پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ آیا ہوا ہے تو اس سے بہت دور دوسرے مقام پر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ روشن ہوا ہے۔ دونوں کے درمیان دوری اس لئے رہی کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تنہا کروڑوں سال رہتے ہوئے اپنے اندر بیقراری پاتا رہا تو اپنے ہی وجود میں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کو ظاہر کیا ہے تو قرار آیا ہے وجود سے وجود کو ظاہر کرنے میں فاصلہ رہا اور اس لئے قرآن شریف میں کلمۂ طیبہ کے ایک جز اور دوسرے جز کے درمیان کافی کلام موجود ہے۔ جب دونوں جز روشن ہو گئے اور جلوہ ظاہر ہو گیا تو کُل عالم میں اور ہر مقام پر دونوں ساتھ ساتھ ہی رہے۔ اللّٰہُ کے ساتھ مُحَمَّدٌ رہے۔ اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

ہر مقام و منزل پر روشن ہوا۔ اَللّٰہُ مُحَمَّدٌ۔ اَللّٰہُ مُحَمَّدٌ ایک ساتھ ساتھ ہی رہے

● آیئے رمز کی کچھ اور گہرائی میں چلیں!!

کلمہ طیبہ کے پہلے جز لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں صرف تین (۳) منزل ھیں

ل ۔ ا ۔ ہ "دوسرے جز مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ میں نو (۹) منزل موجود ہیں"۔

"م ۔ ح ۔ د ۔ ر ۔ س ۔ و ۔ ل ۔ ا ۔ ہ" دوسرے جز کی گہرائی میں جاکر دیکھیں تو پہلا جز بھی دوسرے جز میں آکر ضم ہو گیا ہے، یعنی پہلے جز کا ل ۔ ا ۔ ہ" دوسرے جز میں بھی شامل ہے کیونکہ ایک وجود دوسرے میں جاکر سماتا ہے تو تیسرا وجود، وجود میں آتا ہے۔ اِسی راز کو قائم رکھتے ہوئے پہلا جز دوسرے جز میں آکر ملا ہے تو اس سے ایک دائرہ وجود میں آیا ہے۔ اس کی مثال کچھ ایسی ہے کہ جب ایک چیز ایک چیز سے ٹکراتی ہے تو آواز پیدا ہوتی ہے اور یہ آواز بھی دائرے ہی کی شکل میں پھیلتی ہے۔ یا۔ ایک ٹھہرے ہوئے پانی میں جب ایک کنکر پھینکتے ہیں اور جب وہ پانی سے جاکر ٹکراتا ہے تو پانی میں لہریں دائرے کی شکل میں پیدا ہوتی ہیں اور اطراف پھیلتی ہیں۔ ملاپ تو صرف دو کا تھا کنکر اور پانی کا لیکن تیسرا وجود، وجود میں آیا۔ بالکل یہی راز لَآ میں موجود ہے "ل" میں آکر "ا" ملا ہے تو "ہ" کا وجود، وجود میں آیا ہے اب "ل" اور "ا" کے ملنے سے ہوا یہ ہے کہ "ل"۔ "ا" اور "ہ" بنا ہے یعنی لَآ اب "ل" "ا" اور "ہ" بنا ہے اور گہری نظر رکھنے والے دیکھ لیتے ہیں کہ پہلے جز لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں صرف "ل"۔ "ا"۔ "ہ" ہی موجود ہیں اور اس کا مطلب یہی ہوا کہ پہلا کل جز لَآ میں موجود ہے یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مکمل لَآ میں پوشیدہ ہے اور اہلِ تصوف ایسا بھی دیکھ لیتے ہیں کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں صرف لَآ ہی لَآ سمایا ہوا ہے۔

● آیئے رمز کی کچھ اور گہرائی میں چلیں!!

لَآ کے "ل" میں جب "ا" آکر ملا تو ان دونوں کے کھیل کے نتیجہ میں جو دائرے بنا "ہ" اس دائرے کو تصوف میں "ہ" (ھ) سے بھی تشبیہ دیتے ھیں اور "م" (میم) سے بھی، دونوں کی شکل اور منزل ایک ہی ہے جیسے

"احد" ایک مقام سے دوسرے مقام پر آیا تو "احمد" بنا ہے۔ حضور پُر نور ﷺ نے فرمایا "انا احمد بلا میم فوق العرش"۔ عرش پر بغیر میم کے احمد تھے اور جب آسمانوں پر آئے تو "احمد" بنے۔ مطلب عرش سے آسمانوں پر آئے یعنی ایک مقام سے ایک مقام پر آئے تو ایک پردہ آیا وہ "میم" (م) کا کہلایا۔ لا میں "ل" اور "ا" کے ساتھ جو دائرہ وجود میں آیا ہے اس کو "ہ" کا بھی کہہ سکتے ہیں اور "م" کا بھی۔ اب اس کو تصوف کی نظر سے "ا۔ل۔ہ" کی شکل میں دیکھیں یا "ا۔ل۔م" کی شکل میں دیکھیں دونوں ایک ہی ہیں اور دونوں اپنے وجود میں بہت گہرے اسرار پوشیدہ رکھے ہیں۔ "ل۔ا۔ہ" سے کلمہ بنا ہے تو "ا۔ل۔م" کو متقیوں اور پرہیزگاروں کیلئے ذالک الکتٰب یعنی مکمل کتاب کہا گیا ہے "الم ذالک الکتٰب"۔ "ل" اور "ا" کے کھیل میں کبھی "ل" پہلے تو کبھی "ا" پہلے اور کبھی یہ پہلے تو کبھی وہ پہلے اور کبھی دونوں کا آپس میں ملنا اور جدا ہونا۔ ان کے اس کھیل ہی کے تحت مقامات سے مقامات بدلتے اور بنتے چلے گئے ہیں۔ انہیں دونوں کے کھیل میں "لا الٰہ الا اللہ" مکمل ہوا ہے اور کل عالم۔ سات آسمان و سات زمین، ہر شئے وجود میں آئی۔ تصوف کی نظر سے دیکھیں تو کل عالموں اور ہر شئے میں صرف "ل" اور "ا" ہی موجود ہے۔ اہلِ تصوف اور اہلِ عرفان اور بھی گہرائی میں جا کر دیکھیں تو "ل" اپنا وجود "ا" ہی سے لیا ہے۔ اور "ل" میں "ا" موجود ہے۔ سب سے پہلے "ل" ہے اور اسی سے ہر شکل وجود میں آئی اور اپنی اصل صورت میں موجود ہے۔ حروف تہجی کے ۲۸ حروف میں شکل بدل بدل کر "ا" ہی موجود ہے "ا" کے وجود میں جب شوقِ دیدار سر میں جوش کھانے لگا تو اس کے نچلے حصے میں جنبش (حرکت) ہونے لگی اور شوق نے عشق کا مقام لیسے لیا۔ اسی عشق نے "ا" کے نچلے حصہ کو حرکت میں لایا۔ اور نچلا حصہ جوش کھانے لگا اور تہہ میں موجیں مارنے لگیں۔ اور "ا" کا نچلا حصہ اوپر اٹھنے لگا آنے لگے اور انہیں خم کے وجہ "ا" خود "ل" کی شکل پکڑا ہے۔ اسی لئے سب سے افضل اور سب سے اعلیٰ مقام "ا" کا ہی ہے اور کہاں سے کہاں تک دیکھیں "ا" ہی "ا" موجود ہے جیسے قیام کی شکل رکوع۔ سجدہ۔ جلسہ وغیرہ میں بدلتی رہتی ہے اور پھر

سے قیام میں اپنی اصل شکل میں آجاتی ہے۔ اسی طرح "ا" ہر حرف میں اپنی شکل بدلتے بدلتے رہنے کے باوجود پھر سے اپنی اصل شکل پر ہی قائم ہے۔ وہی "احد" بن کر مکاں سے لامکاں تک کھڑا ہوا ہے۔

آیئے رمز کی کچھ اور گہرائی میں چلیں!!!

وجود کو جو عام طور پر بارہ دری کہتے ہیں اسکی حقیقت کے رمز کو کھولتے ہوئے کوئی نو (۹) گھر کی بات کرتے ہیں۔ اور ان گھروں سے آشنا کرواتے ہیں تو جو تھوڑی گہرائی میں جا چکے ہیں وہ (۱۲) بارہ گھر کی بات کرتے ہیں۔ (۹) نو کھلے اور (۳) تین بند کو بھی نو گھروں کے ساتھ ہی رکھ کر کل بارہ گھر کے راز سے آشنا کرواتے ہیں۔

یہاں ایک بات یاد آگئی۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ راز اور حکمت کی باتیں سوچ سمجھ کر ہی کرنی چاہیئے۔ نادانوں اور جاہلوں کے روبرو بھی بھی نہیں کرنی چاہیئے۔ کیوں کہ ایسا کرنے سے ان رموز کی حقیقت جاتی رہتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ "لَا تَكَلَّمْ كَلَامُ الْحِكْمَةِ عِنْدَ الْجَهِلَالِ" حکمت کی باتیں کبھی بھی جاہلوں کے روبرو نہ کرو" اسمیں راز یہی موجود ہے کہ نادانوں کے روبرو حکمت یا نرم و نازک گفتگو کرنے سے رمز میں جو لذت موجود رہتی ہے وہ تو جاتی ہی رہیگی۔ اور زاہد کی سمجھ سے بھی باہر ہے اور نادانوں کے ہاتھ انمول خزانوں کی چابیاں دے دینے کے برابر ہو جاتا ہے۔ حضور پرنور کی اس نصیحت پر اہل تصوف و اہل عرفان کو بھرپور توجہ رکھنی چاہیئے۔ کیونکہ معرفت کی باتیں اور حکمت کے راز صرف اہل تصوف اہل عرفان کے لئے ہوتے ہیں۔ جو راہ پر ہوتے ہیں اور جدوجہد بھی کیا کرتے ہیں۔ یہ رمز ان کے دلوں میں نور اور روشنی پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں پرواز بھی کرواتے ہیں اور منزل کو آسان بھی بناتے ہیں۔

وجود کی حقیقت کو ظاہر کرتے ہوئے اس کے رمز کو کھولتے ہوئے کوئی (۹) نو گھر کی بات کہی ہے تو کوئی (۱۲) بارہ گھر کی۔ اور جو ظاہر اور باطن دونوں پر نظر رکھتے ہیں اور گہرائی میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں ان میں سے کوئی (۱۴) چودہ گھر کی بات کہی ہے جو (۹) نو کھلے (۳) تین بند اور (۲) دو مخفی کہے ہیں۔ اور ان گھروں سے آشنا کرواتے ہیں اور اصل حقیقت کو پہنچے ہوئے تو اس راز سے آشنا کرواتے ہیں کہ کل (۱۶) سولہ در (دروازے) موجود ہیں۔ ان سولہ (۱۶) در (دروازے) کا راز "شاہ رفاعی" کچھ یوں اشارہ دیتے ہیں کہ (۹) نو کھلے (۳) تین بند اور (۴) چار مخفی ہیں۔

● آیئے رمز کی کچھ اور گہرائی میں چلیں!!! کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

میں پانچ جلوے، یعنی روشنی موجود ہیں اور ایک روشنی بھید بنی ہوئی ہے فقیر اپنی عبادت و ریاضت کو انہیں روشنیوں کے جلوں کے تحت آگے لیئے جانا چاہیئے۔ فقیر کو ایسی کئی منزلوں سے گزرنا ہوتا ہے جہاں پر وہ ان روشنیوں کو دیکھتا ہے۔ اِن روشنیوں کی بہت گہرائی سے تحقیق کرتے ہوئے ہی اپنے عمل پر قائم رہتا ہے۔ کیونکہ اکثر شیطان بھی چمک دکھلاتا رہتا ہے۔ جن بزرگوں کو ان روشنیوں کا اچھا علم ہے انہیں سے علم حاصل کر لیتے ہوئے منزل کو آگے لیئے جاتا ہے

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

↓ ↓ ↓ ↓ ↓ ↓

کالا سفید ہرا لال پیلا کھرا (بے رنگ)

(۱) (۲) (۳) (۴) (۵) (۶)

لَآ کالا اِلٰہَ سفید اِلَّا اللّٰہُ ہرا مُحَمَّدٌ لال رَّسُوْلُ پیلے اللّٰہِ کھرا

یہ پانچ رنگ اپنی اصل مقدار میں ایک دوسرے سے جب مل جاتے ہیں تو چھٹویں گھر میں پہنچ کر بے رنگ ہو جاتے ہیں۔ بے رنگ اپنے وجود میں کل رنگوں کو رکھتے ہوئے بھی بے رنگ کہلاتا ہے اور ان چھے روشنیوں میں جلالی بھی ہیں اور جمالی بھی۔ تین گھر جلالی ہیں تو تین گھر جمالی ہیں کل کلمہ کے چھے گھر میں سے نصف جلالی ہیں تو نصف جمالی ہیں۔ اور اسی میں مذکر اور اسی میں مونث ہے اسی میں نور ہے اور اسی میں ظلمات ان سب کی پہچان کرنا ہے اور اس رمز کو پا کر اور اس اسرار میں جیسے جیسے فقیر اپنے منازل طے کرتا جاتا ہے اس کے وجود کی حالت میں بھی تبدیلی آتی جاتی ہے۔ اور اس کی آنکھوں کے روبرو جلوہ ہی جلوہ ہوا کرتا ہے اور وہ بھی کل رنگوں سے گزر کر بے رنگ کے دائرے میں شامل ہونے لگتا ہے تو اس کی نظر میں خدا کے سوا اور کچھ نہیں رہتا اور وہ اپنے وجود کو قدرت میں سما کر ایک وجود بنتا چلا جاتا ہے۔ اب وہ جو کچھ دیکھتا ہے خدا ہی کے نور سے دیکھتا ہے۔ اور قدرت

کے نور ہی کی تجلیات کے کرشمے اس کے روبرو ہوا کرتے ہیں اور انہیں تجلیات کو وہ ظاہر کرتا رہتا ہے اور اس سے قدرت کا نور ہی نور پھوٹ پھوٹ کر نکلنے لگتا ہے اور وہ جس چیز کو بھی دیکھتا ہے اللہ اللہ پکارنے لگ جاتا ہے۔ اس کے آنکھوں کے روبرو صرف قدرت کے اور کوئی شئے نہیں رہتی۔ وہ تنہائی میں بھی قدرت کا نظارہ کرتا ہے تو کثرت میں بھی قدرت کا ہی نظارہ کرتا ہے۔ اس کے روبرو "وَاحِدَہٗ لَاشَرِیْکَ" کی منزل ہی ہمیشہ رہتی ہے۔ وہ کثرت میں بھی جب مختلف صورتیں دیکھتا ہے تو ان کو خدا تعالیٰ کی صفات اور اسماء ہی کی جھلکیں پاتا ہے۔ یہ سب کیفیتیں "سَمِیْعٌ۔ بَصِیْرٌ اور عَلِیْمٌ" ہی کی ہوتی ہیں۔ اس منزل پر رہنے والے فقیر کی حالت معذّب کی حالت رہتی ہے اور وہ ہر آن ہر چیز کو اپنے اندر جذب کرتا رہتا ہے۔ اور وہ ہر آن ایک مقام سے دوسرے مقام پر جانا اور پھر وہاں سے واپس ہونا آسان پاتا ہے۔ یہ کبھی کبھی اپنے مثالی وجود سے کام لیتا ہے تو کبھی کبھی اصلی وجود سے بھی۔ اس مقام پر پہنچا ہوا فقیر جب "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" پڑھتا ہے تو خود بھی کلمہ ہو کر رہتا ہے اور اس میں کلمہ کے اثرات منزل بہ منزل وہی جلوے دکھلاتے رہتے ہیں جو کہ اسمیں موجود رہتے ہیں اور جب اسم "اللّٰہُ" ذاتِ مبارک کی مشق "مرقوم معہ تفکر" زبان سے ادا کرتا ہے تو بے شک وہ صاحبِ "تیغ برہنہ" ہو جاتا ہے اور اس کی زبان اس کی زبان بن جاتی ہے۔ "لِسَانَ الْفُقَرَاءِ سَیْفُ الرَّحْمٰنِ" یہی منزل ہے۔

● آیئے رمز کی کچھ اور گہرائی میں چلیں

ذات "اللّٰہُ" میں فقیر اپنے آپ کو فنا کر کے دیکھتا ہے تو یہاں اس کو چار مقامات ملتے ہیں جو ایک بعد دیگر بہت ہی گہرے اور انتہائی رموز اپنے اندر پوشیدہ رکھتے ہیں۔ "اللّٰہُ۔ لِلّٰہُ۔ لَہٗ۔ ھُوْ۔ فقیر ان منازل میں اپنے آپ کو مٹا کر بقاء کی حقیقت سے آشنا ہو جاتا ہے۔ جب یہ اپنی آخری منزل "ھُوْ" میں فنا ہوتا ہے تو خود ایک نقطہ (۰) ایک بھید بن جاتا ہے اور اس "ھُوْ"

کی منزل میں سیر کرنے لگیں تو یہاں اس کو "ھو" "سر ھو اور ھو الحق" کے مقامات ملتے ہیں۔ جو مقام لا میں گم صم رہتے ہیں۔ فقیر جب فکر و تفکر۔ خفی و اخفی کے مقامات پر اسم ذات اللہ کے اذکار سے روشن ضمیری پاتا ہے تو اس کا کل وجود روشن ہو جاتا ہے اور وجود سے نور ظاہر ہونے لگتا ہے۔

"اللہ اور لا الٰہ الا اللہ" دونوں منزل ایک ہی ہیں۔ کیونکہ ان دونوں میں ا۔ ل۔ ہ کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اور جب تصوف کی نظر سے دیکھیں تو یہ دونوں منزل لا میں موجود ہیں۔ لا میں بھی "ا۔ ل۔ ہ" ہی مقام بنا رکھا ہے۔ اسی لئے لا بھی ایک مکمل وجود ہے کیونکہ اللہ اور لا الٰہ الا اللہ" دونوں لا میں ضم ہیں کہیں۔ یا لا۔ اللہ اور لا الٰہ الا اللہ میں ضم ہے کہیں دونوں ایک ہی ہے۔ (ان منازل کو صرف اہل تصوف و اہل عرفان ہی بخوبی جان سکتے ہیں۔ دوسرے اگر اس میں غوطہ لگانے کی کوشش کریں گے تو پاگل ہو جائیں گے اس منزل پر راہبر کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔)

نظر جمع کر دیکھیں تو یہ پردے خود بخود اٹھنے لگ جاتے اور صاف صاف دکھائی دیتا ہے کہ جو کچھ "لا الٰہ الا اللہ" میں موجود ہے وہ اللہ میں موجود ہے اور وہی لا میں موجود ہے اس بھید سے جو کوئی واقف ہو گیا وہ ہمیشہ قائم و دائم کی منزل میں رہے گا۔ اور اس کی زندگی اور موت میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ دنیا کی نظر تو اس کو پردہ ہونے پر انتقال کر گیا سمجھتی ہے لیکن وہ اس گھر میں بھی برابر "سمیع" "بصیر" اور "علیم" رہتا ہے۔ کیونکہ اس کی حیات زندگی اس کے حق میں آب حیات رہتی ہے وہ بھی زندہ اور وہ جس پر نظر ڈالے وہ بھی زندہ۔ اس کی نظر میں یہ قوت ہوتی ہے کہ تقدیریں بھی بدل دیتیں ہیں

● آئیے رمز کی کچھ اور گہرائی میں چلیں

فقیر کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے خزانوں میں ناسوت۔ ملکوت جبروت۔ لاھوت اور ھاھوت کے مقامات کو بھی پاتا ہے اور اپنے حضور قلب کی راہ کے ذریعے ان مقامات کو یکے بعد دیگر مکمل کرتے ہوئے اور ان کے

رموز سے آشنا ہوتے ہوئے اپنی منزل کو جب لاھوت سے ھاھوت کی طرف پرواز کرتا ہے تو وہ اپنے نفسوں سے آزاد ہو جاتا ہے اور اسکے جسم سے نور کی شعاعیں نکلنی شروع ہو جاتی ہیں۔ اور باطنی وجود باطن میں مل کر ایک ہی رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ اس منزل کو "فَنَا فِی اللّٰہ۔ بَقَا بِاللّٰہ" کہتے ہیں۔ اور وہ "عین الیقین" سے "حق الیقین" میں آجاتا ہے تو باریک بین اور باخبر ہوتا ہے۔

ناسوت عالم مثال کو کہتے ہیں اس عالم سے مراد ہے کہ اس میں ہر شئے کی ایک مثال اور صورت و شکل موجود رہتی ہے۔ اور اس کا وجود قائم رہتا ہے۔ ملکوت کا مقام آتا ہے تو ارواح اور فرشتوں کا عالم رہتا ہے۔ اس عالم میں ارواح اور فرشتوں سے اپنے اپنے مقام و مرتبے کے ساتھ ملاقاتیں ہوتی رہتی ہیں۔ جبروت کے مقام پر پہنچے پر وہ قوت جس سے جلانا۔ مٹانا۔ مارنا۔ وغیرہ کے عمل عمل میں آنے لگ جاتے ھیں۔ لاھوت اس مقام میں "سمیع"۔ "بصیر"۔ "علیم" کی قدرت سمائی ہوئی ہوتی ہے اور اس مقام کا وجود لا ہی ہوتا ہے ھاھوت۔ مقام ھاھوت میں سب کچھ رہنے کے باوجود کچھ بھی نہیں رہتا۔ یہ مقام ھُوَ کا مقام ہے اور یہاں ھُوَ کے سوا اور کچھ نہیں رہتا۔

● آیئے رمز کی کچھ اور گہرائی میں چلیں

"وھُوَ اللَّطِیفُ الْخَبِیرُ" لا کی صفت ہے۔ اور "قَدْ جَاءَکُمْ مِنَ اللّٰہِ نُورٌ وَکِتَابٌ مُبِینٌ" کے تحت اس کے جلوے عالم ہیں اور ہر مقام پر روشن ھیں دیکھنے والی نظر چاہیئے۔ ان منازل کی کامیابی کیلئے اہل تصوف اپنی زندگیاں وقف کر دئے ہوتے ہیں۔ ان کا ہر لمحہ اسی جدوجہد میں لگا ہوا ہوتا ہے کہ منزل میں کامیابی حاصل ہو اور اس کی تہہ تک پہنچ جائیں۔ جو کوئی لا کی حقیقت سے بھرپور واقف ہو گیا۔ اس نے گویا کہ مکمل کتاب پڑھ لیا۔ کیونکہ لا اپنے وجود میں "ا۔ ل۔ م" کو پوشیدہ رکھا ہے۔ اور "ا۔ ل۔ م" کو "ذَالِکَ الْکِتٰبُ" کہا گیا ہے۔ یہ سب ان کے لئے ہے جو پرہیزگار جدوجہد کرنے والے

متقیوں اور ان کے لئے جو غیب پر یقین رکھتے ہیں اور عمل کرتے ہیں اس میں ہدایت ہے ان کے لئے جو عمل و عبادت و تفکر کو قائم رکھتے ہیں اور خود میں جو خودی موجود ہے اس کو بلند کرتے ہوئے قدرت میں سما جاتے ہیں اور قدرت خود ان میں آجاتی ہے چونکہ قدرت لا میں موجود ہے وہ بھی اسی مقام میں قائم ہو جاتے ہیں۔

آیئے رمز کی کچھ اور گہرائی میں چلیں!!

اللہ رب العلمین کا فرمان ہے کہ آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور پھر وہ عرشوں کے اوپر جا کر قرار پکڑا۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

ذات	نور	سر	روح	دل	نفس
(۱)	(۲)	(۳)	(۴)	(۵)	(۶)
شنبہ	یکشنبہ	دوشنبہ	سہ شنبہ	چہارشنبہ	پنجشنبہ

چھ دنوں میں مکمل کائنات وجود میں آگئی۔ اور اس کا نظام مکمل ہو گیا۔

آسمانوں اور زمین کا عمل، عمل میں آگیا اور "جمعہ" میں اللہ رب العلمین عرشوں کے اوپر جا کر اپنے مقام میں قرار پکڑا اور قائم ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ۔" "درحقیقت تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر اوپر جا کر اپنے تختِ سلطنت پر متمکن ہوا" (الاعراف)

اللہ پاک کئی اسرار اور رموز کو پوشیدہ رکھ دیا ہے، اسلئے کہ رازدار ہی راز سے آشنا ہو دیں، کم ظرف کیا خاک اسرار کو پائیں گے۔ ایک کامل راہبر کے سوا اور کون ہے جو ان اسرار کو کھول سکیں۔ منزل تک پہنچنا اور اس میں اپنے آپ کو گم کر لینا یہ صرف عارف باللہ کا ہی مقام ہے اور صرف وہی دکھا سکتا ہے جو خود دیکھا ہو۔

آیئے رمز کی کچھ اور گہرائی میں چلیں! کلمہ طیبہ کے اسرار کو پاتے جائیں،

اور اس کے بھیدوں میں تلاش کریں تو یہ بھی ایک راز پوشیدہ ہے کہ کلمہ میں مذکر اور مونث موجود ہیں۔ اصل راز بھی یہیں سے شروع ہوتا ہے جس طرح لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ بنا ہے اسی طرح مذکر ہی سے مونث وجود میں آئی ہے۔ کیونکہ جو چیزیں وجود میں موجود رہتے ہیں اسی کو ظاہر کر سکتے ہیں اور ہر شئے وجود میں موجود ہے تو ظاہر بھی ہوئی ہے۔ جب کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پوشیدہ رہا تو ظاہر ہوا ہے اور کلمہ میں مذکر بھی ہے اور مونث بھی۔ کیونکہ مذکر میں مونث بھی پوشیدہ ہے، جب کہ ایک دفعہ مذکر سے مونث وجود لے کر ظاہر ہو کر ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ یہ قصہ پھر سے بھی دوہرایا جا سکتا ہے اور تصوف کی نظر میں کلمہ اسی وقت مکمل ہوتا ہے جب کہ ایک منزل پھر سے ایک منزل کے وجود میں آکر سما جائے کیونکہ ایک منزل اور ایک منزل کے درمیان غصب کی کشش موجود رہتی ہے اور وہ ایک دوسرے کے اندر ضم ہوتے جاتے رہتے ہیں۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں آکر ضم ہوتا ہے تو اِلَّا اللّٰہُ اِلٰہَ میں اور اِلٰہَ۔ لَآ میں ضم ہو کر پھر سے لَامکان میں جا کر لَا ہی لَا ہو جاتا ہے اور یہی اصول مذکر و مونث میں بھی قائم ہے اور وہ ایک دوسرے میں ضم ہوتے جاتے ہیں اور کشش یہی رہتی ہے کہ مونث پھر سے مذکر میں آکر سماء جائیں اسی اصول کے تحت جب سے دُنیا وجود میں آئی ہے یہی عمل ہو رہا ہے کہ مذکر اور مونث دونوں پھر سے ایک ہو جائیں۔ اسی لئے دونوں کے درمیان غصب کی کشش رکھی گئی ہے اور دونوں ایک دوسرے کے قریب سے قریب ہوتے جاتے ہیں تاکہ دونوں کے درمیان کوئی حجاب یا فرق باقی نہ رہ جائے۔ اسی کوشش میں مذکر اور مونث دونوں میں وصال ہوتا رہتا ہے۔ وصال کے معنیٰ ہی یہی ہیں کہ ایک، ایک میں کچھ اس طرح سماء جائیں کہ ایک ہی ہو کر رہ جائیں یعنی دو، دو نہ رہیں بلکہ ایک دوسرے سے کچھ اس طرح مضبوطی سے سما جائیں کہ ایک ہو جائیں اور کلمہ مکمل ہو جائے اور اپنے منازل کو طے کرتے ہوئے پھر سے لَا میں جا کر لَا ہی بن جائیں۔

لیجئے اہلِ تصوف و محبانِ عرفان کی خدمت میں ایک اور گہرا بھید برزخ لَا پیش ہے۔ اس برزخ کی گہرائی میں جتنا غوطہ لگا سکیں لگائیں اور حقیقت سے آشنا ہو جائیں۔ کامیاب وہی ہے جو منزل پر پہنچ جاتا ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ

محمد

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ

افضل الذکر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

(برزخ لا) ل۔ا۔ہ (ا۔ل۔م)

ھُوَ الۡحَقُّ

ذاتِ گنج مخفی۔ نقطہ۔ نکتہ۔

توحید

لامکان۔ مقامِ ھاھوت۔ خفی

معرفت

فوق العرش۔ مقامِ لاھوت۔ سِرّی

حقیقت

فی السماء۔ مقامِ جبروت۔ روحی

طریقت

فی الارض۔ مقامِ ملکوتِ قلبی

شریعت۔

فی تحت الثریٰ۔ مقامِ ناسوت۔ جلی

مقامِ "لا" غیب ہے۔ مقامِ "اِلٰہ" شہادت ہے۔ شہادت کی حقیقت کو حاصل کرتے ہوئے جب تک غیب پر عمل نہیں ہوتا کچھ بھی کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ کیونکہ جو کچھ بھی خزانے موجود ہیں وہ پوشیدہ ہیں۔ اور غیب ہی میں ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ شہادت میں فنا رکھی ہوئی ہے تو بقاء غیب میں موجود ہے۔ اس منزل پر جدوجہد کرنے والوں کا مکمل یقین غیب پر ہی رہتا ہے اور وہ غیب کے منازل ہی کو اپنی منزلِ مقصود بنا لیتا ہے۔ اور اس منزل پر چلنا "لا" کی منزل پر چلنا ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ "لا" کی دیدار کیلئے خود "لا" ہونا بہت ضروری ہے۔ اور اس منزل میں اپنے آپ کو فناء کر کے بقاء کی آنکھوں سے دیدارِ الٰہی کرنا ہوتا ہے۔ اور پوشیدہ جلوؤں سے اپنے آپ کو آشنا کرنا ہوتا ہے۔ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" افضل الذکر کا یہی مقصد ہے کہ اس کا ذکر کثرت سے کیا کریں۔ اور اس کے رازوں کو اپنا راز بنا لیں۔ اور جب ان رازوں سے واقفت ہو جاتی ہے تو مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے اسرار بھی اپنے آپ روشن ہونے لگ جاتے ہیں۔ اور اس کی حقیقت عیاں ہو جاتی ہے۔ اور کلمہ طیبہ مکمل ہو جاتا ہے۔ جب تک ان رموز سے آشنا نہیں ہوتا کامیاب نہیں۔ کامیاب تو وہی ہے جو سلامت ہو جائے۔ یعنی قائم و دائم ہو جائے کیونکہ مسلمان میں سلامتی چھپی ہوئی ہے۔ اور اس سلامتی کے دائرے میں آجانا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

● آیئے رمز کی کچھ اور گہرائی میں چلیں

ظہورِ کثرت کا آغاز "لا" سے شروع ہوا ہے اور "لا" اپنے وجود کو قائم رکھتے ہوئے منزل سے منزل کی تبدیلی اور واحدت سے کثرت میں خود کو روشن کرتے ہوئے "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کی شکل لیا ہوا ہے اور تین (۳) طبق سے شروع ہو کر نو (۹) طبق پر ختم ہے جو مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ میں پوشیدہ ہیں۔ اہلِ تصوف و اہلِ نظر نو طبق کو تین طبق ہی میں دیکھ لیا کرتے ہیں۔ اور ہر راز کا راز "لا" میں جو پوشیدہ ہے اس کو پا لیا کرتے ہیں۔ فقیر کے لئے اس راہ کو مکمل کر کے منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لئے دو روشنیاں موجود ہیں۔ ایک قرآنِ شریف اور دوسرا سردارِ انبیاء سرورِ کائنات حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا بہترین نمونہ ان ہی روشنیوں میں راہ چلتے ہوئے منزل تک پہنچنا ہے۔

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" بارگاہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض یاب ہونے والوں میں عربی اور عجمی کی کوئی تمیز بالکل نہیں ہے۔ ہر کوئی (مسلمان) راہِ مصطفےٰؐ کو چراغ بنا کر اپنی منزل تک پہنچ سکتا ہے اور اس منزل پر پہنچنے کے بعد ہر کس و ناکس کا سر تسلیم خم رہتا ہے۔ حقیقت شناس اسی "اسوۂ حسنہ" کو آقائے دو عالمؐ کے صحابہ کرامؓ اور اللہ والوں کی سیرت کے آئینوں میں جمالِ یار کا عکسِ جمیل عیاں دیکھ لیتے ہیں۔ اور انہیں کی طرز زندگی سے اپنے دلوں کی اصلاح کر لیتے ہیں۔ کیونکہ راز تو رازداروں کے پاس ہی محفوظ ہوا کرتا ہے اور جب تک رازداروں کی صحبت اختیار نہیں کی جاتی کسی راز سے آشنا ہونا ممکن نہیں ہے۔

● آئیے رمز کی کچھ اور گہرائی میں چلیں!!

حدیث شریف ہے کہ "اَلْقَلْبُ بَيْنَ الْجَسَدِ وَالرُّوْحِ۔ اَلنُّوْرُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالذَّاتِ۔ قلب۔ جسد اور روح کے درمیان ہے اور نور۔ روح اور ذات کے درمیان ہے۔" کل پانچ مقامات کا ذکر آیا ہوا ہے۔ جسد۔ قلب۔ روح۔ نور ذات۔ (۱) جسد یعنی نفس (تصوف میں اعضاءِ تناسل) اس کا گھر خاک ہے۔ مقام ناسوت ہے۔ اور ذکر جلی ہے "دَعْ نَفْسَكَ تَعَالٰی۔ نفس کو چھوڑ کر اوپر آجا کا حکم ہے (۲) قلب یعنی دل اس کا گھر آب ہے مقام ملکوت اور ذکر قلبی "دَعْ قَلْبَكَ تَعَالٰی" قلب کو بھی چھوڑ کر اوپر آجا کا حکم ہے۔ (۳) روح یعنی تنفس۔ اس کا گھر باد ہے مقام جبروت اور ذکر روحی ہے "دَعْ رُوْحَكَ تَعَالٰی۔ روح کو بھی چھوڑ کر اوپر آجا کا حکم ہے" (۴) نور یعنی بصیر۔ اس کا گھر آنکھ نور علیٰ نور ہے۔ مقام لاھوت اور ذکر سری ہے اس پر کوئی حکم نہیں۔ (۵) ذات یعنی بھید اس کا گھر گنج مخفی ہے۔ مقام ھاھوت اور ذکر مخفی ہے۔ اس پر کوئی حکم نہیں ہے۔ نور اور ذات کے دائرے میں ہی بَصِیْرٌ اور سَمِیْعٌ آتے ہیں۔ یہاں کی لذت بہت ہی عجیب ہے اور یہ قائم و دائم گھر ہے اس لئے یہاں تک پہنچنے کا حکم ہوا ہے۔ اس منزل تک پہنچنے والا کامیاب ہے۔ اور وہ قائم و دائم ہے۔ ان مقامات پر سب کچھ روشن ہو جاتا ہے اور ہر ایک شئے اپنے اصل پر دکھائی دینے لگ جاتی ہے۔ اور ہر وجود اسی مقام سے زندگی پاتا ہے۔ اس کے بغیر ظلمات ہی ظلمات ہیں۔ نور اور ذات گنج مخفی کے مقام پر ہی ہیں۔

اور یہاں نکتہ کا راز ہے۔ اسکے اوپر ھُوْ اور ھُوَ الحق کے سوا کچھ بھی نہیں۔ معراج اسی مقام پر ہوتی ہے۔ یہی منزل لَا کی منزل بھی ہے۔ جسد سے قلب اور قلب سے روح۔ روح سے نور اور نور سے ذات کی طرف قدم بڑھاتے ہیں اور اس جد و جہد میں کہ ایک منزل سے ایک منزل کی طرف پرواز کریں۔ اور ایک منزل کو چھوڑ کر ایک منزل کو قائم رکھیں۔ وجود میں کئی قوتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ اِن سب کو مِلا کر دو کے نام دئے جاتے ہیں۔ ان میں "قدرتِ رحمانی" ایک ہوتی ہے تو دوسری قوتِ "شیطانی" ہے۔ ان قوتوں کا اندازہ فقیر اپنے عمل اور قلب پر نظر رکھتے ہوئے پہچان لے سکتا ہے۔ وہ دیکھ لیتا ہے کہ اُسکا قلب کس طرف لئے جا رہا ہے۔ اگر یہ ارادے، یہ خیالات اور یہ حرکتیں اور یہ طلب اللہ اور رسولؐ پر ہیں اور ان کے بتلائے ہوئے راہ پر ہیں تو جو قوت وجود میں پیدا ہو رہی ہے وہ رحمانی ہوا کرتی ہے۔ ورنہ شیطانی۔ یہاں ایک بات یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ شیطانی قوت رکھنے والے بھی بہت کچھ کر دکھاتے ہیں وہ بھی ظاہر و باطن کے چیزوں کی خبر دیتے ہیں۔ ان کے عملوں کو دیکھ کر اچھے اچھے بھی تھوڑے وقت کیلئے دنگ رہ جاتے ہیں۔ لیکن کیونکہ یہ قوتیں باطل ہوا کرتی ہیں اسلئے اِنکا زور تھوڑے ہی مدت میں باطل ہو جاتیں ہیں۔ اور ظلمات میں پڑھ جاتیں ہیں اور جو رحمانی قوت والے ہوا کرتے ہیں وہ ہمیشہ ہمیشہ اپنی منزل کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ اِن کی منزل ہر لمحہ ترقی ہی ترقی پر ہوا کرتی ہے۔ اور یہ ترقی زندگی اور موت کے بعد بھی برابر جاری رہتی ہے اور ان کی شان ہی شان ہوا کرتی ہے۔

● آیئے رمز کی کچھ اور گہرائی میں چلیں!!

فقر اپنے وجود میں۔ ف ق ر کے منازل و مراتب رکھے ہوئے ہیں۔ جو فقیر اللہ اور رسولؐ کے بتلائے ہوئے راہ پر چل کر اور جد و جہد کر کے اپنے وجود کو الفقر کے قابل بنا لیتا ہے تو اسکے وجود میں فقر کے مراتب پورے کے پورے ضم ہونے لگتے ہیں۔ ف۔ فناء بقا کی منزل ہے۔ اس فنا و بقا کے کھیل میں ایک وجود فنا ہو کر دوسرے وجود میں ضم ہوتا ہے تو دوسرا وجود فنا ہو کر تیسرے وجود میں ضم ہوتا ہے۔ اِسی طرح کل وجود آخر میں وحدۃ الوجود میں ہی آ کر ضم ہو جاتے ہیں۔ واجب الوجود ہی ہر منزل کو طے کر کے الفقر کے مراتب کو پہنچتا ہے۔ اور ذاتِ حق میں مِل کر بقا پاتا ہے۔ اور دائمی

زندگی حاصل کرتا ہے۔ ق۔ قریب ہونا ذاتِ حق کے اور مقربین میں شامل ہو جاتا ہے اور ذاتِ حق کے قریب ہو کر اپنے آپ کو اسی کے رنگ میں رنگ لینا ہے۔ جب دونوں طرف ایک ہی رنگ ہو جاتا ہے تو ر سے رب اپنے سے رب کو دیکھتا ہے اور "رَاَیتَ رَبِّی بِرَبِّی" کی منزل کو مکمل کر لیتا ہے۔ جب وجود ایک بعد ایک فنا۔ بقا۔ فنا۔ بقا کا کھیل کھیلتا ہے اور جب عارف الوجود پر پہنچتا ہے تو اس کا وجود رب کے مقام میں ہوتا ہے۔

فقیر صفاتِ الٰہی سے بیشک رب ہوتا ہے فقیر جب اپنے منازل کے انتہائی مقام کی طرف ہوتا ہے تو اللہ رب العٰلمین اس کے حق میں ایک نور پیدا کر دیتا ہے۔ اس نور کو نورِ فارق کہتے ہیں۔

اس نور سے وہ "حق و باطل" میں امتیاز حاصل کر لینے کے ساتھ ساتھ ان کی حقیقت سے واقف ہو جاتا ہے۔ اور اس کی منزل ہمیشہ صراط المستقیم پر ہی لگی ہوئی ہوتی ہے۔ فقیر اپنے پنج وجود کی جدوجہد کے ساتھ ساتھ ہی اپنے پنج مقامات کی عمل میں بھی برابر لگا رہتا ہے۔ وہ ہمیشہ جسد۔ قلب۔ روح۔ نور اور ذات کے مقامات پر نظر رکھے ہوئے ہی وہ اپنے عمل کو قائم رکھتا ہے۔ جس طرح ایک وجود کو ایک وجود میں ضم کر کے پرواز کرتا جاتا ہے۔ اسی طرح ایک مقام کو ایک مقام سے ملاتا ہوا بھی آگے بڑھتا جاتا ہے۔ جب وہ اس کھیل میں روح اور نفس کو ملاتا ہے تو یہ منزل اس کے حق میں کیمیا ہوتی ہے اور وہ بہت ہی بڑے مرتبہ والا ہوتا ہے۔

ایسے فقیر کی نظر بھی کیمیا ہی ہوتی ہے اور جس پر اس کی نظر پڑتی ہے اس کو بھی کیمیا بنا دیتی ہے اور وہ عشق کی آگ میں جلنے لگ جاتا ہے اور جدھر بھی دیکھتا ہے اللہ کو ہی دیکھتا ہے۔

اور جس چیز کو بھی دیکھتا ہے اُس کو اللہ اللہ کہنے لگ جاتا ہے۔

● آیئے رمز کی کچھ اور گہرائی میں چلیں!!! اقرار اللسان اور تصدیق القلب۔

زبان سے اقرار کرنا یعنی چیز کا زبان پر قائم ہو جانا اور دل سے تصدیق کرنا۔ یعنی دل میں گھر کر لینا۔ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" کو جب تک مکمل طور سے تحقیق نہیں کر لیا جاتا اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے بھید کو جب تک اقرار اللسان اور تصدیق القلب کے ساتھ نہیں حاصل کر لیتا کچھ بھی راہ نہیں کھلتی اور گمراہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ جب کوئی ایک بار اپنے قلب کو اللہ والوں کی صحبت اختیار کر کے ان رازوں بھیدوں اور ظاہر و باطن مخفی اسراروں سے بھر لیتا ہے اور مطمئن ہو جاتا ہے پھر دنیا کی کوئی طاقت ان کے دلوں کو اور ان کے ارادوں کو بدل نہیں سکتی کیوں کہ جو قائم و دائم اور منزل کو پائے ہوئے ہیں اور فقر میں ڈوبے ہوئے ہیں وہ جب بھی اپنی نظر کسی پر ڈالتے ہیں تو اُس کی تقدیر بدل جاتی ہے۔ اور وہ ہمیشہ کے لئے کامیاب ہو جاتا ہے۔ اِسی لئے فقراءِ کرام اور اللہ والوں کے ساتھ کی تھوڑی سی مُلاقات اور صحبت کئی سالوں کی بے ریا عبادت سے بھی افضل ہوا کرتی ہے۔ اور وہ انسان خوش قسمت ہے جس کو ایسے بزرگانِ دین کی صحبت نصیب ہوئی ہو۔ اللہ والوں کی صحبت میں رہنا ایسا ہی ہے جیسے کہ اللہ پاک کی مجلس میں رہتا ہے، بزرگانِ دین کے ساتھ بالکل باادب رہنا چاہیئے۔ فقرائے کرام اور بزرگانِ دین کے ساتھ اگر کوئی بے ادب نے گستاخی یا بے ادبی کی تو اس کی نیکیاں سب تو جاتی ہی رہیں گی۔ اور اس کا وجود بھی خاک میں مل کر رہ جاتا ہے۔ اللہ والوں کی نظر میں قدرت کا نور اور جمال و جلال ہوا کرتا ہے۔ انکی نظر رحمت بھی ہے اور قہار بھی۔

اگر یہ کسی بات پر "القہار" کہدیں تو بس آگ ہی لگ جائیگی اور کسی پر رحمت کی نظر ڈالدیں تو اسکی زندگی روشن ہوجائیگی، اور وہ ظلمات سے نور کی طرف چلا آتا ہے۔ اسلئے فقیر و فقراء کی رحمت کی نظر کے ہمیشہ منتظر رہنا چاہیئے۔ اور ہمیشہ انکی حضوری میں رہتے ہوئے ان کی ناراضگی سے بچکر رہنا چاہیئے آقائے نامدار حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے کہ "اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ"۔ یعنی ڈرو اللہ والوں کی فراست سے (تیز نظر) کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتے ہیں۔

فقیر جب اس منزل پر ہوتا ہے تو اسکی ہر حرکت میں قدرت ہوا کرتی ہے۔ اُسکے کہنے میں، اُسکے دیکھنے میں، اُسکے سُننے میں، ہر حرکت میں قدرت سمائی ہوئی ہوتی ہے۔ اسلئے فقراء کیساتھ بہت ادب کے ساتھ رہنا چاہیئے۔ فقیر کی ذات کے متعلق حضور پرنور ص کا ارشاد مبارک ہے کہ "من عرف اللہ حق معرفتہ عبدہٗ بکل طاقتہٖ" یعنی جس کسی کو اللہ تعالیٰ کی پہچانت ہوجاتی ہے۔ اسکو مکمل طاقت حاصل ہوجاتی ہے"۔ جب فقیر دیکھتا ہے کہ اس میں ایسی باتیں پیدا ہورہی ہیں۔ اور اُس سے نور روشن ہورہا ہو تو اسکو چاہیئے کہ وہ بہت ہی صبر اور ضبط سے کام لیں۔ اور ہر مقام اور ہر منزل میں ہمیشہ ثابت قدم رہیں اور کبھی بھی اپنے دائرے سے باہر نہ ہوجائیں۔ چاہے اس پر جتنی بھی سختیاں اور مشکلیں کیوں نہ آن پڑیں۔ وہ "اف" تک نہ کریں۔ اور نہ ہی کسی کے حق میں کبھی بھی بددعا کریں کیونکہ فقیر کی نظر ہر ایک کے دل کے راز سے واقف رہتی ہے اور ہر ایک کے حال سے وہ باخبر رہتا ہے اس کی نظر تو ہر کسی کے قلب کی تہہ تک پہنچ کر اسکی حالت سے روشن رہتی ہے۔ اگر کوئی نادان کبھی کچھ غلطی یا سختی بھی کر بیٹھے تو فقیر اف تک نہیں کرتا بلکہ ہر سختی کو مسکراتے ہوئے سہتے رہتا ہے۔ جو کوئی بھی اس مقام سے ہو گزرے ہیں وہ یہی کر دکھایا ہے۔ یہاں تک انہیں زہر بھی دیا گیا ہے تو انہوں نے "الحمد للہ" کہہ کر نوش کرلیا۔ لیکن اپنی قوت کو، اپنی حقیقت کو اپنے مقام کو کبھی بھی ظاہر ہونے نہیں دیا ہے۔ حالانکہ فقیر میں اتنی قوت و قدرت موجود رہتی ہے کہ وہ روحانیوں کو تک مسخر کرسکتا ہے۔ اور اُن سے ہمکلام ہوسکتا ہے اور حکم لگا کر ہر ناممکن کو ممکن میں بدل سکتا ہے۔ یہ سب اس کے لئے آسان بات ہوتی ہے۔ اور وہ جب بھی چاہے حکم لگا کر قبر سے روحانی کو حاضر کرا سکتا ہے اور روحانی بھی قبر سے ایسے نکل کر حاضر ہوتی ہے جیسے کہ

کوئی اپنے گھر سے دروازہ کھول کر باہر آتا ہے۔ یہ سب فقیر کے مراتب کے سبب اور اسکے اصل مقام کے تحت ادنیٰ کرشمہ ہی ہیں۔ اور جو الفقر کی منزل میں رہتا ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے آپ کو لا کے دائرے میں رکھتا ہے۔ اور اس کا مقام لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ رہتا ہے فقیر کے پاس نہ تو خوف رہتا ہے اور نہ ہی وہ کبھی غمگین ہوتا ہے۔ وہ ہر مشکل اور ہر آفت و مصیبت کو ہنستے ہنستے سہہ لیتا ہے۔ اس منزل پر رہنے والے فقیر کی حقیقت تو یہ رہتی ہے کہ وہ ہر مشکل و ہر مصیبت سے لذت لیا کرتا ہے۔ کوئی تکلیف یا فاقہ اس پر اثر نہیں کرتا۔ اور بلیات اور امراض سے بھی اسکے قلب پر کوئی فرق نہیں آتا۔ وہ ہر حال میں اپنے رب سے ملا ہوا ہوتا ہے۔ ظاہر میں اپنے وجود پر جو کچھ بھی مصیبتیں آئیں لیکن اسکا باطن روشن ہی روشن رہتا ہے، بزرگانِ دین کا قول ہے کہ..

"اَلْفَقْرُ بَحْرُ الْبَلَاءِ وَبَلَاءُ كُلِّهِ عِزٌّ" "منزلِ الفقر" مصیبتوں اور بلاؤں کا دریا ہے اور اس مقام کی تمام مصیبتیں و بلائیں عزت ہیں فقیر کی گدائی سے خلق کی بلائیں دور ہوتی ہیں۔

گدائی فقیر کی ذات ہی کچھ ایسی ہے کہ وہ دوسروں کی ہر مصیبت و بلاؤں کو اپنے سر لیتا ہے اور انہیں دعائیں دیتا چلا جاتا ہے اسی لئے فقیر پر گدائی کرنا بھی ضروری ہوا ہے کہ وہ دوسروں کے بلاؤں اور وباؤں کو لیتے ہوئے ان کا مقابلہ کریں اور خلقِ خدا کو راحت پہنچائیں۔ فقیر کی گدائی میں کئی راز پوشیدہ رہتے ہیں جب بھی فقیر گدائی کرتا ہے تو اسکا یہی مطلب ہوا کرتا ہے کہ گھر اور گاؤں کے حق میں رحمت ہی رحمت آئیں اور اس گھر اور گاؤں کے بلاؤں اور مصیبتوں کو وہ اپنی جھولی میں لئے جاتا ہے۔ گاؤں والوں کو چاہیئے کہ وہ دل کھول کر خیرات کیا کریں۔ اور فقیر کی مدد کیا کریں۔ ایسا کرنے میں انہیں کی بھلائی ہے۔ کیونکہ خیرات میں بہت بڑی برکت اللہ پاک نے چھپا رکھا ہے، خیرات کرنے سے مال کبھی بھی کم نہیں ہوتا بلکہ کئی گنا زیادہ ہو جاتا ہے۔ فقیر کے قدم ہی سے بلیات پاک ہو جاتے ہیں۔ "قَدَمُ دَرْوَيْشٍ دَفْعُ بَلَا" اسی چیز کو مدِ نظر رکھ کر بزرگانِ دین نے بھی گدائی کی ہے۔ اور گدائی کرنے کی تاکید بھی فرمائی ہے۔ تاکہ لوگوں کے مشکلات آسان ہو دیں۔ بلا و وبا فقیر کی ذات کے سوا کسی اور سے پریشان نہیں ہوتیں۔ عوام کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ فقیر کی عزت اور اُن کی خدمت کو ہمیشہ پہلا مقام دیں۔ ایسے بہت سے

واقعات موجود ہیں کہ بڑے بڑے بادشاہ و شہنشاہ بھی فقیر کے در پر بھکاریوں کی طرح کھڑے ہیں اور اپنے درباروں میں فقر و فقراء کی حاضری کو اپنی خوش قسمتی اور عزت افزائی سمجھتے رہے ہیں۔ صحیح بخاری شریف اور صحیح مسلم شریف میں کئی احادیث موجود ہیں کہ خیر و خیرات ہوا کرتی تھی۔ اور حج شریف اور عیدین کے زمانے میں تو عام طور پر ہوا کرتی تھی۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم خیرات کرنیکا حکم دیا کرتے تھے اور لوگوں کو نصیحت کیا کرتے کہ خیرات کرو خیرات میں بہت بڑی برکت ہے۔ لیجئے خیرات مانگنے اور دینے کے سلسلہ میں صحیح بخاری شریف کے دو ایک حدیث شریف موجود ہیں۔ صحیح بخاری پارہ ۴۔ باب اَلْعَلَمِ الَّذِی بِالْمُصَلّٰی۔

۹۴:۔ باب: عیدگاہ میں نشان لگانا:۔

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَابِسٍ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ قِيلَ لَهُ: أَشَهِدْتَ الْعِيدَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ، نَعَمْ وَلَوْلَا مَكَانِي مِنَ الصِّغَرِ مَا شَهِدْتُهُ حَتَّى أَتَى الْعَلَمَ الَّذِي عِنْدَ دَارِ كَثِيرِ بْنِ الصَّلْتِ فَصَلَّى ثُمَّ خَطَبَ. ثُمَّ أَتَى النِّسَاءَ وَمَعَهُ بِلَالٌ فَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ فَرَأَيْتُهُنَّ يَأْخُذْنَ بِأَيْدِيهِنَّ يَهْوِينَ يُلْقِينَهُ فِي ثَوْبِ بِلَالٍ ثُمَّ انْطَلَقَ هُوَ وَبِلَالٌ إِلَى بَيْتِهِ.

ہم سے مسدد نے بیان کیا کہا ہم سے یحییٰ بن سعید قطان نے انہوں نے سفیان ثوری سے کہا مجھ سے عبدالرحمٰن بن عابس نے انہوں نے کہا میں نے ابن عباسؓ سے سنا۔ ان سے پوچھا گیا تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید کی نماز میں حاضر تھے۔ انہوں نے کہا ہاں اور اگر میرے چھٹپنے کی وجہ سے آنحضرتؐ کو مجھ سے اُلفت نہ ہوتی تو میں آپؐ کے ساتھ نہ رہ سکتا۔ آپؐ اس نشان کے پاس آئے جو کثیر بن صلت کے گھر کے نزدیک ہے۔ آپؐ نے نماز پڑھائی پھر خطبہ سنایا پھر عورتوں کے پاس تشریف لائے۔ بلالؓ آپکے ساتھ تھے آپؐ نے انکو وعظ و نصیحت کی خیرات کا حکم دیا۔ میں نے خود دیکھا عورتیں اپنے ہاتھ پھیلاتے اور بلالؓ کے کپڑے میں ڈالتیں پھر آپؐ بلالؓ سمیت اپنے گھر کو چلے۔

بَابُ مَوْعِظَةِ الْإِمَامِ النِّسَاءَ يَوْمَ الْعِيدِ.

۹۵ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ نَصْرٍ قَالَ. حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ سَمِعْتُهُ يَقُولُ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْفِطْرِ فَصَلَّى فَبَدَأَ بِالصَّلَاةِ ثُمَّ خَطَبَ فَلَمَّا فَرَغَ نَزَلَ فَأَتَى النِّسَاءَ فَذَكَّرَهُنَّ وَهُوَ

باب: امام کا عید کے دن عورتوں کو نصیحت کرنا:۔

مجھ سے اسحاق بن ابراہیم بن نصر نے بیان کیا کہا ہم سے عبدالرزاق نے کہا ہم کو عبدالملک بن جریج نے خبر دی کہا مجھ کو عطاء بن ابی رباح نے انہوں نے جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے انہوں نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن کھڑے ہوئے پہلے نماز پڑھی پھر خطبہ سنایا خطبہ سے فراغت کرکے اس جگہ سے چلے بلالؓ کے ہاتھ پر ٹیکا دئے ہوئے

يَتَوَكَّأُ عَلَى يَدِ بِلَالٍ وَبِلَالٌ بَاسِطٌ ثَوْبَهُ يُلْقِي
فِيهِ النِّسَاءُ الصَّدَقَةَ قُلْتُ لِعَطَاءٍ: زَكَاةَ يَوْمِ الْفِطْرِ
قَالَ: لَا وَلَكِنْ صَدَقَةً يَتَصَدَّقْنَ حِينَئِذٍ
تُلْقِي فَتَخَهَا وَيُلْقِينَ قُلْتُ لِعَطَاءٍ: أَتَرَى حَقًّا عَلَى
الْإِمَامِ ذَلِكَ يَذْكُرُ وَهُنَّ؟ قَالَ إِنَّهُ لَحَقٌّ عَلَيْهِمْ
وَمَا لَهُمْ لَا يَفْعَلُونَهُ؟ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ: وَأَخْبَرَنِي
الْحَسَنُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ
عَنْهُمَا قَالَ: شَهِدْتُ الْفِطْرَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ يُصَلُّونَهَا
قَبْلَ الْخُطْبَةِ ثُمَّ يَخْطُبُ بَعْدُ. خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ حِينَ يَجْلِسُ بِيَدِهِ
ثُمَّ أَقْبَلَ يَشُقُّهُمْ حَتَّى أَتَى النِّسَاءَ مَعَهُ بِلَالٌ
فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ. الْآيَةَ ثُمَّ قَالَ حِينَ فَرَغَ مِنْهَا آنْتُنَّ عَلَى
ذَلِكَ؟ قَالَتِ امْرَأَةٌ وَاحِدَةٌ مِنْهُنَّ لَمْ يُجِبْ
غَيْرُهَا. نَعَمْ لَا يَدْرِي حَسَنٌ مَنْ هِيَ. قَالَ. تَصَدَّقْنَ
فَبَسَطَ بِلَالٌ ثَوْبَهُ ثُمَّ قَالَ: هَلُمَّ لَكُنَّ فِدَاءٌ
أَبِي وَأُمِّي. فَيُلْقِينَ الْفَتَخَ وَالْخَوَاتِيمَ فِي ثَوْبِ
بِلَالٍ قَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ الْفَتَخُ الْخَوَاتِيمُ الْعِظَامُ
كَانَتْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ ؛

عورتوں کے پاس آئے انکو نصیحت کی بلال رضؓ اپنا کپڑا
پھیلائے ہوئے تھے عورتیں اسمیں خیرات ڈال رہی تھیں
ابن جریج نے کہا میں نے عطا سے پوچھا کیا صدقہ فطر دے رہی تھیں
انہوں نے کہا نہیں یہ اس وقت ایک الگ خیرات تھی کوئی عورت
اپنا چھلا ڈالتی اور دوسری عورتیں بھی ایسا ہی کرتی تھیں
پھر میں نے عطا سے کہا کیا امام پر عورتوں کو نصیحت کرنا لازم ہے
انہوں نے کہا البتہ لازم ہے اور اماموں کو کیا ہو گیا ہے جو ایسا نہ
کریں۔ ابن جریج نے کہا مجھ سے حسن ابن مسلم نے بیان کیا انہوں نے
طاؤس سے انہوں نے ابن عباس رضؓ سے انہوں نے کہا میں عید الفطر
کی نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضؓ اور عمر رضؓ اور عثمان رضؓ
کے ساتھ شریک رہا۔ وہ سب پہلے نماز پڑھتے تھے پھر خطبہ اسکے
سناتے تھے غرض (خطبہ سنا کر) آنحضرت صلعم اس جگہ سے نکلے گویا
میں آپؐ کو دیکھ رہا ہوں آپؐ لوگوں کو ہاتھ کے اشارے
بٹھا رہے تھے پھر آپؐ صفوں کو چیرتے ہوئے عورتوں کے
پاس آئے۔ بلال رضؓ آپؐ کے ساتھ تھے آپؐ نے (سورہ ممتحنہ
کی یہ آیت پڑھی۔ اے پیغمبر جب مسلمان عورتیں تیرے پاس
بیعت کرنے کو آئیں (آخر تک) اور فرمایا کیا تم ان باتوں
پر قائم ہو؟ کسی عورت نے بھی آپؐ کو جواب نہ دیا صرف
ایک عورت نے کہا ہاں حسن بن مسلم کو معلوم نہیں کہ وہ
کونسی عورت تھی۔ آپؐ نے فرمایا اچھا تو خیرات تو کرو۔ پھر
بلال رضؓ نے اپنا کپڑا پھیلایا اور کہا لاؤ ڈالو۔ تم پر میرے ماں
باپ قربان! وہ چھلے اور انگوٹھیاں بلال رضؓ کے کپڑے میں
ڈالنے لگیں۔ عبد الرزاق راوی نے کہا حدیث میں جو فتخ کا
لفظ ہے اس سے بڑے چھلے مراد ہیں جو جاہلیت
کے زمانے میں پہنتی تھیں۔

ان احادیث کی روشنی سے یہ بات بالکل روشن ہو جاتی ہے کہ خیرات مانگنے اور خیرات دینے میں بہت سے راز و اسرار پوشیدہ ہیں حضور پُر نور ﷺ نے حضرت بلال رضؓ کو خیرات مانگنے پایا ہے تصوف اور طریق میں اس کو گدائی بھی کہتے ہیں۔

اللہ پاک کا فرمان بھی ہے کہ:۔ لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ (۲۷۳۔ البقرۃ)

اصل حق اُن فقراء کا ہے جو مقید ہو گئے ہوں اللہ کی راہ میں (اور اسی وجہ سے) وہ لوگ کہیں ملک میں چلنے پھرنے کا امکان نہیں رکھتے اور ناواقف ان کو تونگر خیال کرتا ہے۔ ان کے سوال سے بچنے کے سبب سے (البتہ) تم انکے طرز سے پہچان سکتے ہو۔ کہ فقر و فاقہ سے چہرہ پر اثر ضرور آجاتا ہے۔ وہ لوگوں سے لپیٹ کر مانگتے نہیں پھرتے اور جو مال تم خرچ کرو گے بے شک اللہ تعالیٰ کو اس کا خوب علم ہے۔

باری تعالیٰ کے اس فرمان میں بہت راز پوشیدہ ہیں۔ اہلِ تصوف اور فقراءِ کرام اس راہ کو اختیار کرتے ہیں۔ اور اپنا سب کچھ اللہ اور رسول ﷺ پر قربان کر دیتے ہیں۔ اور ان کی خواہش اور تمنا یہی رہتی ہے کہ انہیں بار بار زندگی ملیں اور وہ بار بار اسکی راہ میں اپنا سب کچھ قربان کرتے رہیں یہی سچی الفت اور محبت ہے۔ اللہ اور رسول ﷺ کی تڑپ میں اسکی محبت میں اسکے عشق میں جب تک فقیر اپنے آپ کو نہیں مٹاتا منزل آسان نہیں ہے کیونکہ عشق نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ عشق کی منزل ہی منزلِ مقصود ہوا کرتی ہے لیکن عشق کرنا کوئی آسان کام نہیں عشق کے معنی ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کے ہیں۔ کیونکہ عشق کی ابتدا عین (ع) ہی کی راہ سے عشق اپنے مقصد اور منزل تک پہنچتا ہے۔ اور عین میں عجیب اسرار موجود ہیں۔ کیونکہ یہ نور کے خزانوں کو اپنے اندر چھپا رکھا ہے اور اصل راز بھی یہیں پوشیدہ ہیں۔ جب عشق کے عین کے اسرار میں ڈوب جاتا ہے تو یہ فنا کی منزل میں اور ٹوٹ جانے میں یعنی اپنے وجود کو ذات میں مٹانے میں لذت پاتا ہے عشق کے عین کی منزل سے آگے جا کر دیکھیں تو "شق" ہی کا مقام رہ جاتا ہے اور اس مقام میں وجود کو عشق کی آگ سے جلا دینے کے سوا اور کچھ باقی نہیں رہتا۔ عشق کی آگ ھُوَ النَّارُ۔ ھُو کی آگ ہے۔ چونکہ عشق کے اندر شق موجود ہے جو ماسوائے محبوب کے سب کچھ جلا کر راکھ کر دیتی ہے "اَلْعِشْقُ ھُوَ النَّارُ اِذَا وَقَعَ فِي الْقَلْبِ يُحْرِقُ الْمَحْجُوْبَ"۔ عشق کی آگ ایک ایسی آگ ہے جو ماسوائے ذات کے سب کچھ جلا دیتی ہے

فقیر کا پہلا زیور ہی عشق ہے جب عشق قلب میں گھر کر لیتا ہے تو دنیا کی کوئی شئے اس کے قلب کے اندر نہیں سما سکتی اور جو ھُوَ الْحَقُّ سے عشق کرتا ہے اس کو بہشت و حور کی لذت نہیں رہتی

کیونکہ وہ خوب جانتا ہے کہ بہشتی باغ و محلات میں عشق کا سبق نہیں پڑھا جاتا۔ عشق تو تب ہی ثابت ہوتا ہے جب کہ ویرانے میں وحشت کا آوارہ بن جائے۔ اور اپنے آپ کو مٹانے لگ جاتا ہے۔ عشق کے متعلق ایک بزرگ نے ایک بزرگ ہستی سے پوچھا تھا کہ عشق کس کو کہتے ہیں۔ تو وہ بزرگ ہستی نے جواب دینے کے بدل ایک "آہ" ماری اور جل کر راکھ ہو گئے۔ سچے عاشق کی حقیقت ایسی ہی ہوا کرتی ہے۔ جس کسی کے قلب میں یہ آگ لگی ہوئی ہو وہی اسکی لذت کو پہچانیں۔ دوسروں کو اسکا صحیح اندازہ کبھی بھی نہیں ہو سکتا۔

حقیقت میں انسان کا وجود گہرے رازوں کا خزانہ ہے، اس میں عجیب قدرتیں موجود ہیں انسان اپنے وجود کو جس راہ میں لگاتا ہے وہ وہی راہ پکڑنے لگتا ہے اور اس راہ کے قابل ہوتا جاتا ہے حقائق کے اعتبار سے غور کیا جائے تو وجودِ انسانی مساجد اللہ قرار پاتے ہیں۔ کیونکہ اس قالب میں جو قلب ہے وہ اللہ کا گھر ہے۔ "قَلْبُ الْاِنْسَانِ بَیْتُ الرَّحْمٰنِ" اور اللہ کا گھر صرف اس لئے رہتا ہے کہ اس میں صرف اللہ ہی کا ذکر ہو، اُسی کی یاد ہو۔ اُسی کی فکر ہو۔ اُسی کے تفکر میں وہ قدرت کو دیکھے اُسی کا جلوہ اس گھر میں روشن رہے اور اسکی دیدار سے بہ مشرف ہو۔ کیونکہ وہ اسی لئے بنایا گیا ہے۔ اس گھر میں غیر حق کا ذکر، غیر حق کی یاد۔ غیر حق کی فکر اس گھر کی خرابی و بربادی کا باعث ہے لہٰذا وجودِ انسانی کا صحیح مصرف "اللہ" کا ذکر اور اُس کا عشق ہی ہے۔ اور جو لوگ اس وجودِ انسانی کا صحیح مصرف اختیار نہ کریں گے تو ان کا داخلہ قلب اور روح کے عالم میں بے باکانہ نہ ہو سکے گا۔ وہ ان عوالم میں خوف اور دہشت کو لئے ہوئے داخل ہونگے اور یہی خوف و ڈر اُن پر غالب رہیگا۔ اور یہی ان کیلئے عذابِ عظیم ہوگا جو اس دُنیا میں اور اس دنیا سے گزر جانے کے بعد بھی پیش آئے گا۔ اللہ اور رسولؐ کے فرمان کے تحت اس وجود کو اور وجود کے ہر اعضاء کو یادِ الٰہی میں بسر کرنا چاہیئے۔ اور جب اس کو "ماسوائے" کی یاد میں لگایا جائیگا وہ ظالم ہو جائیگا۔ اور ہر اعضاء اس پر لعنت و ملامت کرنے لگے گا۔ اور جب ہر اعضاء کو زبان دیجائیگی اس وقت وہ کہنے لگیں گے کہ ہم تو تیری یاد اور تیری ہی فکر میں لگے رہنا چاہتے تھے لیکن یہ ہی ہے کہ ایسا کرنے سے روکا اور دُنیا کی طرف رغبت دلوائی۔

اللہ پاک نے قلب کو اپنا گھر اور وجود کو مسجد بنایا تو فقیر کو اپنے اعمال پر پوری پوری توجہ رکھنی چاہیئے اور دیکھنا چاہیئے کہ اسکا عمل کیسا ہو رہا ہے۔ کیونکہ فقیر نورِ قلب کی حالت میں حق تعالےٰ کا مظہر جامع اور آئینۂ کُلّی ہے اور مقام قرب میں جہاں اللہ تعالیٰ اسکے اعضاء اور جوارح بن جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ جو فقیر اپنی صفات سے فنا ہو کر ذاتِ حق سے باقی ہو گیا تو اسکے مقامِ ذات میں حق قائم ہو گیا۔ یہی راز "اَلْفَقْرُ" کا ہے، جو ہر ایک کے اندر تو موجود ہے، لیکن ہر ایک اس سے آشنا نہیں اور ہر ایک یہ نہیں پہچان سکتا کہ اسکے اندر کیا کیا خزانے پوشیدہ ہیں۔ اور ہر ایک میں یہ قوت نہیں کہ وہ اس راہ کی طرف توجہ دیں اور جدوجہد کریں۔ اِسی لئے صرف فقیر ہی کی ذات ہے جو اس راہ میں اپنا سب کچھ نچھاور کر کے اس راہ کو اختیار کرتا ہے۔ جب فقیر اپنی عشق و محنت عشق و محبت سے اس راہ میں اپنا سب کچھ فنا کر دیتا ہے تو وہ اپنے نفسوں سے لایحتیاج ہونے لگ جاتا ہے "اَلْفَقْرُ لَا اِحْتِیَاجَ اِلٰی نَفْسِہٖ۔ فقر نفسوں سے لایحتیاج رہتا ہے۔" کی منزل ہوتی ہے فقراء کے مراتب اُن کے محنت و مشقت اور جدوجہد پر منحصر ہوتے ہیں۔ کوئی اپنے آپ میں ایک عالم ہے تو کوئی اس سے بھی زیادہ عالم ہے اور کوئی اس سے بھی اعلیٰ یہ سب خود کی پرورش کے تحت ہوا کرتے ھیں اور اُن کے مراتب ہی انہیں روشن کرواتی ہیں۔

(لیجئے اَلْفَقْر کے چند اور رموز آپ حضرات۔ اہلِ تصوّف و محبانِ عرفان اور فقراءِ کرام کی خدمت میں پیش کرتا ہوا قلم بند کرتا ہوں۔ ناچیز حقیر فقیر نے پہلے ہی آپ حضرات کے روبرو اپنی کم علمی کا اعتراف کر چکا ہے اور اگر آپ حضرات کو اس کتاب سے کچھ فائدہ ہوا ہو تو فقیر کو ضرور اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ شاید اسی سے اللہ رَبّ الْعٰلَمِیْن اس فقیر کو نجات دے دیں۔ آمین ثمہ آمین)۔

فقراءِ کرام کے مراتب جس طرح ایک سے ایک بلند ہوتے ہیں اسی طرح اُن کے مشاہدات بھی مختلف ہوا کرتے ہیں۔ کوئی کچھ دیکھتا ہے تو کوئی کچھ دیکھ کر ہی مطمئن ہو جاتا ہے۔ اور اکثر ایسے بھی ہوتے ہیں وہ جتنا بھی جلوہ دیکھیں انہیں قرار نہیں رہتا وہ تو اور زیادہ اور زیادہ مشاہدہ کرنے کی چاہت رکھتے ہیں اور اس کے دیدار میں اتنا سما جانا چاہتے ہیں کہ بس اِن کا وجود اُسکا وجود ہو جائے

اور وہ اُس کی قدرت سے غنی ہو جائیں۔ اور ان میں یہ اسرار اور منزل قائم ہو جائے کہ
اَلْفَقْرُ ھُوَ الْغِنٰی بِاللّٰہِ۔ اللہ تعالیٰ کیساتھ الفقر بہت غنی ہے۔ جس فقیر کے تعین میں مشاہدہ اور
کثرت ہے وہ خلق دیکھنے والا ہے اور جس نے ایک وجود کو ان تمام صورتوں میں جلوہ گر دیکھا اُس
نے حق کا مشاہدہ کیا۔ یہ منزل ایک جگہ کُلُّ شَیْءٍ مُحِیْطٌ کی ہے تو دوسرے مقام پر وَاحِدُہٗ
لَا شَرِیْکَ لَہٗ کی ہے۔ اور جس کسی فقیر نے خلق اور حق دونوں کا مشاہدہ کیا اور یہ
دیکھا کہ مقید و مطلق کے دونوں وجود ایک ہیں۔ اور جس نے حقیقتِ کُلّی کا مشاہدہ کیا اور
یہ دیکھا کہ وہ ذات کے اعتبار سے "اَحَدٌ" ہے اور نسبتوں کی اضافات کے اعتبار سے "کثیر"
ہے۔ یہ منزل فقیر کے حق میں "اَلْفَقْرُ لَا یَحْتَاجُ اِلٰی رَبِّہٖ فقر اپنے رب کا بھی محتاج نہیں" کی ہے
اور یہ منزل بہت اعلیٰ ہے۔ اہلِ تصوّف یاد رکھیں کہ یہ منزل رَبّ پر جاری ہے نہ کہ رَبُّ الْعٰلَمِیْن
پر کیونکہ تصوّف میں رَبّ کا مقام اور ہے اور مقامِ ذات "رَبُّ الْعٰلَمِیْن" اور ہے۔ اس کا اشارہ
اہلِ تصوّف "رَاَیْتُ رَبِّیْ بِرَبِّیْ" دیکھا میں نے اپنے رَبّ سے رَبّ کو سے بھی پا جاتے ہیں۔ یہ رَبّ
کی منزل ہے اور رَبّ کو دیکھنا ہے تو خود کا رَبّ بھی جلوہ گر ہونا بہت ضروری ہے۔ رَبّ سے ہی
رَبّ کو دیکھا جا سکتا ہے۔ کیونکہ دیکھنے والا دِکھنے والے کے قابل نہیں ہو جاتا۔ اس کو دکھائی
نہیں دیتا۔ اور جب جلوہ گری دونوں طرف برابر چھا جاتی ہے تو مقام "رَاَیْتُ رَبِّیْ عَلٰی صُوْرَۃِ
نُوْرِہٖ رَاَیْتُ آجاتا ہے۔ اور نور بن کر ہی نور کا دیدار کرنا ہوتا ہے۔ یہ منزل بہت گہری ہے۔ اور یہاں
پہنچ کر فقر اپنے رَبّ سے بھی لَا یَحْتَاج اس لئے ہو جاتا ہے کہ اس میں اور اُس میں اب کوئی بھی فرق
ظاہر نہیں ہوتا۔ اس منزل میں اسکی تہہ کی طرف جائیں تو یہی پتہ لگتا ہے کہ تصوّف کے دائرے سے
رَبّ کے مقامات کئی ہیں لیکن رَبُّ الْعٰلَمِیْن ایک ہے اور اللہ تعالےٰ ہی رَبُّ الْعٰلَمِیْن۔ واحد
ذاتِ مبارک ہے۔ اس منزل کو گہرائی سے سمجھنا ہوتا ہے ورنہ شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور راہ
سے بھٹک جائیگا ہر انسان میں باطنی وجود ہوتا ہے۔ تصوّف میں اس کو رَبّ بھی کہتے ہیں کیونکہ جب
تک یہ باطنی وجود حرکت نہیں کرتا ظاہری وجود حرکت میں نہیں آتا۔ یہ ظاہری وجود ہی
وَاجِبُ الْوُجُوْد کہلاتا ہے۔ اپنے دوسرے چار وجودوں میں سے یعنی

مُمکِنُ الوُجُود ۔ مُمتَنِعُ الوُجُود ۔ عَارِفُ الوُجُود اور وَاحِدَۃُ الوُجُود"
میں سے صرف عَارِفُ الوُجُود کیساتھ زیادہ نسبت رکھتا ہے۔ کیونکہ عَارِفُ الوُجُود، وَاحِدَۃُ الوُجُود کے بالکل قریب رہتا ہے۔ یہ طاقت صرف عارف باللہ کو ہی ہوا کرتی ہے کہ وہ اِن وجودوں کو اُن کے مقام و منزل کیساتھ حرکت میں لائیں اور ایک کا دوسرے سے ملاپ رکھیں۔ اور ایک وجود کو دوسرے میں ضم کر کے اُس وجود کے موافق ہو جائیں۔ اِن وجودوں کا کھیل کوئی معمولی کھیل نہیں ہے۔ یہاں سخت سے سخت محنت کرنی ہوتی ہے اور ہر منزل پر ہدایت کی سخت ضرورت ہوا کرتی ہے۔ ورنہ منزل میں فرق تو آہی جاتا ہے اسکے باوجود پہچان بھی مشکل ہو جاتی ہے۔ جنات و شیاطین کے شر میں پھنس جاتا ہے اور باہر نکلنے کی راہ بھی دکھائی نہیں دیتی اس مقام پر راہبر کی راہبری کی سخت ضرورت ہوا کرتی ہے۔ کیونکہ عَارِفُ الوُجُود کے رَبّ سے ہی وَاحِدُ الوُجُود کے رَبّ العٰلمین تک پہنچ ہو سکتی ہے۔ فرمانِ خداوندی ہے کہ یَا اَیُّھَا الْاِنْسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدْحًا فَمُلٰقِیْہِ۔ "سُن اے انسان یقیناً تجھ کو محنت کرنی ہے اپنے رب کیلئے پوری محنت پھر اپنے رب کو پانا ہے"۔ یہ ایک بہت ہی مشکل منزل ہے اسکو صرف اہلِ تصوف و عارف باللہ ہی سمجھ سکتے ہیں جو بہت گہرائی میں جا پہنچیں ہوں۔ اور الفقر کی صحیح منزل پر ہوں۔

لیجئے اس منزل کو کچھ آسان کئے دیتے ہیں تاکہ آسانی کیساتھ محبانِ عرفان سمجھ سکیں۔ یوں سمجھئے کہ ہم سو رہے ہیں۔ یعنی ظاہری وجود بستر پر لیٹا ہوا ہے اور نیند کے عالم میں باطنی وجود سیر پر نکل جاتا ہے یعنی کبھی کبھی مراقبے کے عالم میں ہو یا تفکر کے عالم میں، یا خواب کے عالم میں جو وجود سیر کرتا ہے یا جلوے دِکھلاتا ہے وہی باطنی وجود ہے اور یہی اصلی وجود بھی ہے اور بستر پر جو وجود پڑا ہوا ہے وہ "وَاجِبُ الوُجُود" ہے جو اصل وجود یعنے عَارِفُ الوُجُود کے ماتحت ہے اور جب تک باطنی وجود واپس نہیں آجاتا ظاہری وجود بے خبر ہی پڑا ہوا رہتا ہے اور اسکو یہ خبر بھی نہیں رہتی کہ کون آیا اور کون گیا ہے۔ اس پر سے کوئی موذی جانور یا زہریلے کیڑے بھی گذر جائیں تب بھی اسکو کچھ بھی پتہ نہیں چلتا۔ اگر کوئی دشمن اس حالات میں اس پر حملہ بھی کر دیں تو وہ اُسی حالت میں مر جاتا ہے۔ ہاں جب اصل وجود یعنی "عارف الوجود" جو

اس کا رَبّ ہے وہ واپس آکر اس میں سماء جائیں تو یہ باہوش ہو جاتا ہے اور اس کو ہر چیز کی پوری پوری خبر ہو جایا کرتی ہے۔ اور یہ اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھتا اور سمجھتا رہتا ہے۔ "واجب الوجود" اور عارف الوجود" اِن دونوں وجودوں کی میل جول ہی سے جسم کے ہر اعضاء ٹھیک اپنے عمل میں رہتے ھیں ان دونوں کے علاوہ "ممکن الوجود"۔ "ممتنع الوجود" اور "واحدۃ الوجود"۔ یہ سب اپنے اپنے مقام پر اپنے عملوں میں مصروف رہتے ہیں۔ اللہ رَبّ العزّت نے کلامِ پاک میں واجب الوجود" کو گواہ بنا کر "عارف الوجود" کو اس کا رَبّ ہونے کا اقرار لیا ہے۔ اہل تصوف و اہل عرفان اِسی اسرار کو بہت ہی گہرائی سے جانتے ہیں اور انہیں اس منزل کی کامیابی اور اس کے اسرار سے مکمل طور پر روشن ہو جانے کی لذّت لگی رہتی ہے۔ فرمایا اللہ ربّ العلمین نے "وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ۚ شَهِدْنَا ۚ (الاعراف) یعنی اور اے نبیؐ! لوگوں کو یاد دلاؤ وہ وقت جبکہ تمہارے ربّ نے بنی آدمؑ کو پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا تھا۔ اور انہیں خود اُن کے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا "کیا میں تمہارا ربّ نہیں" انہوں نے کہا ضرور آپ ہی ہمارے ربّ (پروردگار) ہیں۔ ہم اس پر گواہی دیتے ہیں"۔ اس فرمان میں بہت سے راز پوشیدہ ہیں۔

یہ فرمانِ خداوندی، اہلِ تصوّف کے حق میں ایک روشن چراغ ہے۔ اس کی روشنی میں پرواز کرنے والے بہت اونچائی تک پرواز کر جاتے ہیں۔ کیونکہ اس فرمان میں بہت سے اسرار پوشیدہ ہیں اسکی ایک منزل میں یہ بات کہی گئی ہے کہ "خود ان کو اُن کے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا۔ یہ فرمان نہ صرف ایک ماضی کے واقعے کی یاد کو تازہ کرتا ہے بلکہ اس اسرار کو بھی کھولتا ہے کہ اقرار کرنے والا بھی وہی ہے اور گواہ دینے والا بھی وہی۔ یہی وہ رمز ہے جو "رَبِّيْ بَزَنِيْ" میں پوشیدہ ہے۔ اس منزل کی گہرائی میں جا کر دیکھنا یہی ہوتا ہے کہ اقرار کون کر رہا ہے اور گواہی

کون دے رہا ہے۔ گواہ اُسی پر اُس کو رکھا۔ یہاں کوئی غیر نہیں رہا۔ یہی وہ منزل ہے جو ایک وجود سے ایک وجود کو ملاتی ہے۔ اور پرواز کرتے کرتے "واحدۃ الوجود" پر لیئے جاتی ہے۔ اہلِ تصوف اگر اس دلیل پر بھی گہرائی کے ساتھ توجہ دیں تو راز فاش ہونے لگ جاتا ہے "اِنِّیْ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ رَبِّیْ وَرَبِّکُمْ (ھود) اس فرمان میں تین مقامات موجود ہیں۔ اللّٰہِ۔ رَبِّیْ۔ رَبِّکُمْ۔ یہی منازل اوپر کی دلیل میں اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ اور "قَالُوْا بَلٰی" اور شَھِدْنَا میں پوشیدہ ہیں۔ جب فقیر ان منازل سے اچھی طرح واقف ہو جاتا ہے اور اس کی لذت میں ڈوبا ہوا رہتا ہے جب اس کا رب اس سے راضی ہو جاتا ہے تو وہی رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کو بھی راضی کر لیتا ہے اور اُسی کی طرف رواں دواں رہتا ہے۔ اِرْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً۔ کے دائرے میں شامل ہو جاتا ہے۔ لیکن فقیر کی منزل صرف یہی نہیں ہوا کرتی بلکہ وہ اور بھی بلندی کی طرف توجہ رکھا ہوا ہوتا ہے۔ اور جو فقیر کثرت کو اسمائے کلید کے ساتھ دیکھتا ہے وہ اہلِ اللّٰہ میں سے ہوا کرتا ہے۔ اور اس کی منزل اَلْفَقْرُ لَا یَحْتَاجُ اِلَی اللّٰہِ۔ اَلْفَقْرُ کا وہ مقام ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کا محتاج نہیں رہتا۔ کیونکہ اس منزل پر ذات، ذات میں مل کر ایک رنگ لینے لگتی ہے۔ جب پانچوں رنگ مکمل ہوتے جاتے ہیں اور ہر ایک رنگ اُس کی اصل مقدار پر قائم ہو جاتے ہیں تو "بے رنگ" "کھرا" ہو جاتے ہیں۔ فقیر اس منزل پر غور کریں تو وہ اس مقام پر بھی پہنچ جاتا ہے کہ نور تو ہر جگہ موجود ہے۔ اور جس طرف بھی رُخ کریں نور ہی نور پایا جاتا ہے۔ لیکن دکھائی نہیں دیتا۔ کیونکہ وہ "کھرا" ہے اور بے رنگ میں رنگ دیکھنے کے لئے قوت والی آنکھوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ بیمار آنکھیں اندھوں کی طرح ہیں اور اندھے کیا خاک دیکھ پائیں گے۔ جو کوئی آنکھ رکھ کر بھی دیکھ نہیں پاتا وہ اندھا نہیں تو اور کیا ہے۔ ایسوں کو جلوہ کہاں؟ فرمایا ربِّ کریم نے "قُلْ ھَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ اَفَلَا تَتَفَکَّرُوْنَ۔ پھر ان سے پوچھو کیا ایک اندھا اور ایک نظر والا

دونوں برابر ہو سکتے ہیں پھر تم کیوں غور نہیں کرتے"

اللہ اللہ کتنی گہرائی کی باتیں کتنے صاف انداز میں بیان کر دی گئیں ہیں پھر بھی عقل کے اندھے اندھے ہی رہے۔ انہوں نے کوئی رنگ نہیں دیکھا۔ انہیں کسی رنگ کی پہچان نہیں ہے۔ ان کی نظر میں وہ بات نہیں ہے، جو روبرو رہنے کے باوجود اُسے دیکھ سکیں۔ اللہ پاک نے بہت سے پردے ہٹا کر اور بھی فرمایا ہے کہ "قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ۔ دیکھ لو! ہر جگہ اللہ کا نور ہی نور ہے اور وہ ایک کھلی کتاب ہے"۔ کھلی کتاب رکھنے کے باوجود نہیں پڑھ رہا ہے۔ نظر نہیں ہے۔ یہاں آنکھ والوں کا کام ہے۔ اندھوں سے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ وہ تو کون ہے اور کیا ہے اور کہاں ہے۔ سوچئے بغیر ہی پکارے چلے جا رہے ہیں۔ کیونکہ بے رنگ ہی میں رنگ کو پانا ہے۔ اور جب تک رنگ کو نہیں دیکھ لیتے اندھے ہی ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اور حقیقت بھی یہی پوشیدہ ہے کہ جب تک یہاں نہیں دیکھ لیتے وہاں بھی کچھ بھی نظر نہیں آنے والا۔ یہاں کا اندھا وہاں کا بھی اندھا ہی ہے۔ "وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى۔ اور جو یہاں اندھا بن کر رہا یقیناً" وہ آخرت میں بھی اندھا ہی رہیگا۔ دیدار کا نظارہ کرتے ہوئے جس نے دیکھا صرف حق کو دیکھا اور "خلق" کو نہ دیکھا۔ وہ فقیر "صاحبِ حال" ہے اور وہ مقام لا میں ہے یہ مرتبہ بہت بلند اور اکمل ہے۔ اس منزل پر "میں اور تو" کا پردہ ختم ہو چکا ہوتا ہے۔ اس مقام میں "پیاز کے چھلکے کے برابر کا پردہ والی بات نہیں رہتی" یہ منزل لامکان ہے یہاں پردہ کیسا "عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖ"۔ اور جو کوئی اُس میں اور اس میں فرق لائے گا۔ اور فرق سمجھے گا وہ تو حقیقت سے ابھی بہت دور ہے اور اس میں اور اُس میں پردہ اور دوئی لائے گا تو وہ مشرک و کافر ہو جائیگا۔ اہلِ تصوف اس منزل کو بخوبی سمجھتے ہیں۔ اس مقام پر ایمان کا مضبوط ہونا بہت ضروری ہے ورنہ بھٹک جائے گا۔ اور اپنی راہ سے بہت دور ہو جائیگا۔ اس منزل پر فرمانِ خداوندی ہے کہ "وَالَّذِيْنَ يُفَرِّقُوْنَ بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا۔

اور جو تفریقہ ڈالتے ہیں مابین اللہ اور رسولؐ کے، ایسوں کا تو یہ حق ہے کہ وہ کافر ہیں۔ نظر والوں کے لئے تو یہ ایک بہت ہی گہرائی منزل ہے۔ جہاں پر پہنچ کر سب کچھ عیاں ہی عیاں ہو جاتا ہے۔ اور اس مقام پر سب پردے اُٹھ گئے ہوئے ہوتے ہیں۔ نہ ہی پیاز کے چھلکے کے پردے والی بات رہی اور نہ ہی کوئی فرق رہا۔ کیوں کہ درمیان میں اب کوئی پردہ نہیں ہے۔ معراج مبارک میں سَرَ لَا مَکَانُ پہنچ کر آقائے دو عالم سردارِ انبیاء راحت العاشقین رحمت اللعٰلمین احدؐ۔ احمدؐ۔ محمدؐ۔ محمودؐ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا اور کس کو پایا اور کس سے بغلگیر ہوئے اور سب پردے چاک ہو جانے کے بعد ایک کے روبرو ایک کون تھا۔ یہ راز، یہ اسرار یہ بھید اہلِ تصوّف سے چھپا ہوا نہیں ہے اور اس کو بیان کرنے کی ضرورت بھی نہیں۔ سب کے دِلوں میں یہ رمز روشن ہے اور منزل "وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ" ظاہر ہو گئی ہے "اور جہاں کہیں تم ہو وہیں تمہارے ساتھ ہوں" والا مقام ہے اور اس مقام پر کل رنگ اپنی اصل مقدار میں ایک دوسرے میں سماء کر بے رنگ "کھرا" ہو گئے ہیں

واضح رہے کہ فقیر کی نظر میں خُدا کے سوا اور کچھ بھی نہ رہے۔ سوائے ذات کے باقی سب کچھ فقیر کی نظروں سے دُور ہو جاتے ہیں۔ اور یہ جو کچھ بھی دیکھتا ہے خُدا کے نُور سے دیکھتا ہے۔ الفقر کے دائرے میں رہنے والے کی نظر میں یہ کثرت جو دُنیا میں نظر آتی ہے اور یہ تمام مختلف صورتیں خدا کی صفات اور اسماء مبارک کے انعکاس ہی ہیں۔ بعض مظہر ھادی۔ بعض مظہرِ جلالی۔ بعض مظہر جمالی اور ہر شئے حسبِ ارادہ ہی مرتبہ علم میں ظاہر ہوتیں ہیں۔ اس مقام پر رہنے والے فقیر کو یہ قوّت ہوتی ہے کہ وہ اپنی مثالی صورتوں کو مختلف جگہوں میں ظاہر کریں حالانکہ وہ اپنی جگہ ہی میں بیٹھا ہوا ہوتا ہے فقیر کی روح ذرّے ذرّے میں سمائی ہوئی ہوتی ہے اور فقیر جہاں سے بھی گذرے ذرہ ذرہ اس کا نام لیتا ہے اور اُس کے گن گاتا ہے۔ مقام الفقر میں کل اسرار کے اسرار پوشیدہ ہوتے ہیں

اس منزل پر رہنے والا ہمیشہ اللہ اور "حق اللہ" کے بھید میں گم سم رہتا ہے اور وہ "ھُوَ الحق" کے جلال و جمال میں فنا و بقا کا کھیل ہر آن کھیلتا رہتا ہے جب بھی وہ ھُوَ کی صدا بلند کرتا ہے تو ہر سمت سے بھی ھُوَ۔ ھُوَ کی صدائیں ہی سنائی دیتی رہتی ہیں۔ اس منزل میں "فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ" دونوں ایک ہی ہیں۔ یعنی تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔ یہ دونوں ایک ہی ہیں یہاں کوئی پردہ نہیں ہے۔ اور کوئی غیر نہیں۔ اس منزل پر غیر کا تصور بھی کرنا کفر اور شرک ہو جاتا ہے۔ سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ سوائے شرک کے۔ کفر اور شرک کے پردے جب چاک کر دیتا ہے تو صرف دیدار ہی دیدار رہتا ہے۔ اور وحدت ہی وحدت کا مقام۔

فقیر جب اس منزل سے بخوبی روشن ہو جاتا ہے تو کل وجودوں کو واحدۃ الوجود میں ضم کر کے صرف وحدانیت کے عالم میں ہی رہتا ہے۔ اس کا دیکھنا اس کا دیکھنا۔ اس کا کہنا اس کا کہنا اس کا عمل اس کا عمل۔ اس کی آنکھ، اس کے کان۔ اس کی زبان یہاں تک کہ لَحْمُكَ لَحْمِي وَدَمُكَ دَمِي۔ تیرا گوشت میرا گوشت اور تیرا خون میرا خون کی منزل مکمل ہو جاتی ہے۔ اس انتہائی منزل کو اللہ تعالیٰ اور رسول اکرمؐ کے فرمان سے اور بھی روشنی پہنچتی ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے "وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ" اور وہ پھینکنا آپؐ کا پھینکنا نہیں تھا بلکہ اللہ کا پھینکنا تھا۔" اس فرمان کے تحت عمل میں وحدانیت قائم ہو گی یعنی آپؐ کی حرکت اللہ تعالیٰ کی حرکت ہو گئی۔ پھینکا تو آپؐ ہی نے تھا لیکن اقرار اللہ تعالیٰ نے کیا کہ وہ میں تھا۔ یعنی حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا پھینکنا اللہ تعالیٰ کا پھینکنا ہو گیا۔ آپؐ کا عمل اللہ تعالیٰ کا عمل ہو گیا۔ اور آپؐ کو دیکھنا اللہ کو دیکھنا ہو گیا۔ آپؐ کی دیدار اللہ تعالیٰ کی دیدار ہو گئی۔ جو کوئی اللہ کو دیکھنا چاہتا ہے وہ آقائے نامدار حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لے۔ مقام واحدت میں کچھ بھی فرق نہیں ہے۔ اگر فرق لائے گا تو کافر ہو جائے گا۔

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَیْ الْحَقَّ کُلَّ جَمِیْلِ اللّٰہِ۔ جس نے مجھے دیکھا تحقیق اس نے حق کو دیکھا اور اللہ تعالیٰ کے مکمل جمال کے ساتھ"۔

فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت آپؐ کو دیکھنا حق اللہ کو دیکھنا ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ یہ بھی فرمایا کُلَّ جَمِیْلِ اللّٰہِ۔ مکمل جمال اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ یہاں "کُلّ" اسلئے فرمایا گیا ہے تاکہ کوئی پردہ نہ رہے اور کسی پردے کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ "ھُو بہ ھُو" کا مقام ہے وحدانیت ہی وحدانیت ہے اور واحد ہی واحد ہے۔

آئینہ انسان میں سراپا نظر آیا ہر پردے میں ایک رنگ کا جلوہ نظر آیا
ہم شکل کہاں بلکہ وہ یکتا نظر آیا کثرت میں بھی وحدت کا تماشہ نظر آیا
دیکھا جو محمدؐ کو اللہ نظر آیا۔

مطلب یہی ظاہر ہوا کہ مظاہر مختلف کی نسبت سے حق کا ظہور مختلف ہے جس طرح مختلف رنگ کے شیشوں میں سے مختلف رنگ کی شعائیں مختلف رنگوں میں ظاہر ہوتی ہیں۔ حالانکہ نور کا کوئی رنگ نہیں ہوتا یہ تو "کھرا" یعنی بے رنگ ہی ہوا کرتا ہے۔ اور اگر شیشہ بے رنگ ہو اور فانوس بے رنگ ہو اور صاف شفاف ہو تو نور بھی صاف فانوس کے پردے سے نظر آتا ہے۔ اگر شیشہ مکدر ہو تو اس سے ظاہر ہونے والا نور بھی مکدر ہو جاتا ہے۔ ہر ایک کی حقیقت شیشے کی سی ہے۔ اور نور تو کھرا ہی کھرا ہے اور ہمیشہ کھرا ہی رہے گا۔ صرف شیشوں کی تبدیلی سے تبدیلی آجاتی ہے۔ سب کچھ نظر کی قوت پر منحصر ہے نظر میں قوت موجود ہے تو جو بھی دیکھے اور جدھر بھی دیکھے واحدت ہی واحدت ہے۔ اہلِ تصوّف اس راز سے بخوبی واقف رہتے ہیں۔ کیونکہ وہ ہر شئے کو تصوّف ہی کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور ہر شئے کی ابتدا اور انتہا کا بھید ان کے آنکھوں کے روبرو ہوا کرتا ہے۔ اور وہ بخوبی اس رمز سے بھی روشن رہتے ہیں، کہ مراتب کی شروعات بھی بندے کے "ب" سے ہوتی ہے تو انتہا بھی حضرت

انسان پر ہی ختم ہوتی ہیں۔ اور کلام اللہ کا آخری کلام بھی "النّاس" پر ہی مکمل ہو گیا ہے۔ سب کچھ اسی سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہو گیا ہے۔

فقیر جب اپنے انتہائی مراتب کی منزل پر رہتا ہے تو اس کے وجود میں وہ قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کے وجود سے کئی مثالی صورتیں پیدا ہوتی جاتی ہیں۔ یہ مثالی صورتیں بھی وجود رکھتے ہیں۔ اور وہ اپنی مثالی وجودوں سے جو چاہئے وہ کام بھی لے سکتا ہے یعنی مثالی وجودوں پر بھی اصل وجود کی گرفت و قدرت و قوت ہوا کرتی ہے۔ ایک ہی وقت میں وہ یہاں بھی رہتا ہے اور جہاں جہاں چاہتا ہے اُن مقامات پر بھی رہتا ہے مثالی وجود ہمیشہ اپنے اصل وجود سے ہی نسبت رکھے ہوئے ہوتے ہیں اور بلآخر اصل وجود میں ہی آکر مل جاتے ہیں۔ مطلب یہی ہوا کہ جب چاہے تب ایک وجود سے کئی وجود، وجود میں آجاتے ہیں۔ اور پھر سے ایک وجود ہو جاتے ہیں۔ یہی رمز "کُلّ شَیءٍ" اور "وَاحِدَہٗ لَا شَرِیکَ" میں پوشیدہ ہے۔ کُلّ شَیءٍ جب حضرتِ انسان میں موجود ہیں تو اس کا یہی مطلب ہوا کہ کُلّ شَیءٍ میں یہ بھی موجود ہے۔ یہی رمز "کُلّ شَیءٍ مُحِیط" کا ہے۔ تفکر میں۔ مراقبہ میں۔ مشاہدہ میں خواب میں۔ تصوّر میں جو شکل و صورت قائم رہتی ہے اس کو بھی مثالی صورت ہی کہتے ہیں۔ کامل فقیر جو "الفقر" کی منزل میں رہتا ہے وہ ایسی مثالی صورت کو بیداری میں بھی ظاہر کر سکتا ہے۔ یہ منزل "کُلِّ شَیءٍ قَدِیر" کی منزل ہوتی ہے۔ کیونکہ اس منزل پر ذات اور وجود دونوں ایک ہی رہتے ہیں اور ہر شئے پر قدرت رکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہاں کوئی فرق نہیں رہتا۔ ہر شئے میں اپنی ہی ذات کو دیکھتا ہے اور غیر کا کوئی مقام ہی نہیں۔ یہ مقام "نُورٌ عَلیٰ نُور" کا ہے۔ اور بہت بلند ہے اس منزل کے فقر کے متعلق حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ "اَلْفَقْرُ تَاجُ الْاَنْبِیَاءِ" الفقر انبیاء کا تاج ہے" الفقر کا مرتبہ اور اس کے درجات بہت ہی بلند و بالا ہوا کرتے ہیں۔ اس سے وہ کُل اشیاء روشن ہوتے رہتے ہیں جو کہ قدرت میں ہوا کرتے ہیں۔ الفقر کی قدرت ہی سے کائنات وجود میں آئی ہوئی ہیں اور السمٰوٰتِ وَالْاَرْض

کے طبقات اسی کے گرفت میں ہوا کرتی ہیں۔ الفقر کسی شئے کا محتاج نہیں بلکہ ہر شئے اس کی محتاج رہتی ہے۔ "رحمت العلمین حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اَلْفَقْرُ لَا یَحْتَاجُ اِلَّا اللّٰہِ وَکُلُّ شَیْءٍ یَحْتَاجُ اِلَیْہِ یعنی الفقر کسی کا محتاج نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور ہر شئے اس کی محتاج ہے" اس فرمان میں اسرار یہ پوشیدہ ہے کہ ایک شئے ایک شئے کی اسی وقت محتاج ہوا کرتی ہے جب کہ وہ اُس کی اصل ہو۔ کیوں کہ ہر شئے اپنی اصل ہی کی طرف رجوع کرتی ہے۔ اس سے راز یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ہر شئے کا اصل "الفقر" ہی ہے۔ "کُلُّ شَیْءٍ یَرْجِعُ اِلٰی اَصْلِہٖ" کے تحت ہر شئے اپنی اصل ہی کی طرف رغبت رکھتی ہے۔ جب الفقر ہر شئے کا مرکز بنا اور ہر روشنی اِس سے ظاہر ہونے لگی، اور ہر شئے اس کے ایک اشارے کے منتظر ہے اور ہر شئے پر اس کا حکم بالا رہا تو اس کا مقام بہت ہی افضل ہوا۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "اَلْفَقْرُ خَیْرٌ مِّنَ النُّبُوَّۃِ۔ الفقر نبوت سے بھی بہتر ہے" یہ منازل۔ یہ مراتب۔ یہ مقامات اور یہ فضیلتیں سب اس لئے کیوں کہ الفقر (قدرت) جس مقام پر پہنچا ہوا ہے وہاں وحدت ہی وحدت ہے۔ اور کچھ نہیں اور یہ منزل "وَاحِدَۃُ الْوُجُوْد" کی ہے۔ ہر شئے کو اپنے ہی وجود میں دیکھتا ہے اور پاتا ہے سب کچھ وجود ہی میں موجود ہے اور وجود کے باہر کچھ بھی نہیں۔ یہی انتہائی مقام ہے۔ یہاں "اللہ ہی اللہ" ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔ ہر شئے اللہ تعالیٰ کی ذات کے اندر ہی سمائی ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے باہر کچھ بھی نہیں۔ اس لئے الفقر کی انتہا بھی وہی ہے اور جب یہ بالکل انتہائی مقام پر پہنچا ہے تو یہ بھی وہی نام لے لیتا ہے جو اس مقام پر رہنے والے کا ہے اہلِ عرفان اس اسرار کو اس اشارے سے بھی حل کر لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مکمل قدرت رکھنے والا ہے اس کا فرمان ہے کہ "اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ اس راز کو کچھ آسان کر کے یوں سمجھیں کہ "عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ ایک مقناطیس کا بہت ہی بڑا وجود ہے۔ اس میں بہت بڑی قوت و قدرت موجود ہے اور اس میں بڑی کشش بھی ہوا کرتی ہے۔ اگر ایک لوہے کا گولہ جو کہ کچھ بھی قدرت نہیں رکھتا وہ

اس کے قریب تک پہنچ جائے تو مقناطس نہ صرف اس کو اپنے وجود کی طرف کھینچ لیتا ہے، بلکہ اپنے وجود سے لگا لیتا ہے اور اس میں بھی وہی قوت و قدرت سما جاتی ہے جو کہ اسمیں موجود رہتی ہے۔ اب اگر ایک اور لوہے کا گولہ جو پہلے والے سے لگا ہوا ہے اس کے قریب تک بھی اگر آجائے تو وہ بھی اس کو اپنے وجود کی طرف کھینچ لیتا ہے۔ اور اس میں بھی وہ سب باتیں آجاتی ہیں جو کہ پہلے والے اور دوسرے والے میں تھیں۔ اسی طرح ایک کے بعد ایک اور ایک سے ایک لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں بھی اگر لگتے جائیں تو وہ ایک سے ایک نہ صرف مظبوطی سے لگے رہیں گے بلکہ ان میں بھی وہ سب باتیں پائے جائیں گے جو کہ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر میں موجود ہوتی ہیں۔ یہی راز الفقر کا ہے۔ کائنات کی ہر شئے اور ہر مخلوق لوہے کے گولے کے مانند ہے۔ اگر کوئی اللہ تعالےٰ کی راہ میں جد و جہد کر کے اس کے قریب پہنچ جائے یا کم از کم اللہ تعالےٰ کے قریب جو پہنچے ہوئے ہیں ان کے قریب تک ہی پہنچ جائیں تو ضرور وہ ان کو بھی اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ اور اس میں بھی وہی باتیں آجائیں گے جو کہ پہلے والے میں موجود تھیں۔ اور وہ بھی فقر کے نام ہی سے پکارا جائیگا۔ "وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ۔ اور اللہ کی رسی کو مظبوطی سے پکڑ لو۔ اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

ایک اور انتہائی گہرا بھید الفقر میں یہ پوشیدہ ہے کہ جیسے جیسے منازل و مراتب میں ترقی ہوتی رہتی ہے نام میں بھی تبدیلی آجاتی ہے۔ اور جس مقام میں رہتا ہے وہاں کا نام لیتا ہے اور گہرا راز تو یہ بھی ہے کہ بلندی پر پہنچنے والے کے وجود میں بھی بڑی لچک آجاتی ہے۔ وہ ایک موم کی طرح بنتا چلا جاتا ہے اور جس مقام پر پہنچتا ہے اس مقام کے موافق بن جاتا ہے اور جس مقام پر رہتا ہے اس کے مطابق پکارا جاتا ہے۔ "تَحْتَ الثَّرٰی" میں پہنچا ہے تو وجود بھی وہاں کے موافق ہو گیا اور وہاں کے نام سے پکارا گیا۔ "فِی الْاَرْضِ" پر رہا ہے تو وجود بھی یہاں کے موافق بنا رہا اور یہاں کے نام سے روشن ہوا۔ "فِی السَّمٰوٰتِ" پر پرواز کر گیا ہے تو وجود میں بھی تبدیلی آئی اور وجود وہاں کے موافق ہو گیا اور وہاں کے نام سے للکارا ہوئی اور جب "فَوْقَ الْعَرْشِ" پر پہنچا ہے تو وجود بھی وہاں کے ماحول

کیساتھ اسی رنگ میں رنگ گیا اور صِبْغَةَ اللّٰهِ کے موافق ہوگیا اور وہاں کے نام سے پکارا گیا۔ اور جب فوق العرش سے بھی بلندیوں پر پہنچا اور لامکان میں داخل ہوا ہے تو وجود بھی لا ہی بنا اور لا میں سما کر لا کے نام سے ہی مشہور ہوا۔ اور جب سرِ لامکان پہنچا ہے تو جو لا بنا تھا وہ وہاں کے رنگ میں ڈھلا اور جو مقام اور جو نام وہاں کا ہے وہی نام اس کا بھی ہوگیا اور "الفقر" جب اس مقام پر پہنچا جسکی کوئی انتہا نہیں ہے تو وہی اللہ ہے۔

"وَاِذَا تَمَّ الْفَقْرُ فَهُوَ اللّٰهُ"

اور الفقر انتہائی درجہ پر پہنچا تو وہی اللہ ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ شَفِيْعِ الْمُذْنِبِيْنَ رَحْمَةِ الْعٰلَمِيْنَ كَعْبَةِ الْوَاصِلِيْنَ رَاحَةِ الْعَاشِقِيْنَ وَاٰلِهٖ وَاَوْلَادِهٖ وَاَزْوَاجِهِ الْمُطَهَّرَاتِ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَصْحَابِهٖ وَعَلٰى اٰلِهِ الطَّاهِرِيْنَ الطَّيِّبِيْنَ وَعَلٰى اَوْلِيَائِهِ الْكَامِلِيْنَ وَالْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ اَجْمَعِيْنَ ۝ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ ۝

تمت

۱۱ جمادی الثانی ۱۴۱۲ھ

م: ۱۹ ڈسمبر ۱۹۹۱ء

AL-FAQAR

تصوف کے مشہور و معروف انمول کتب

الحاج حضرت سید غوث اللہ شاہ اور الحاج حضرت فقیر سید محبوب جیش اللہ شاہ فاعی کے تصنیف

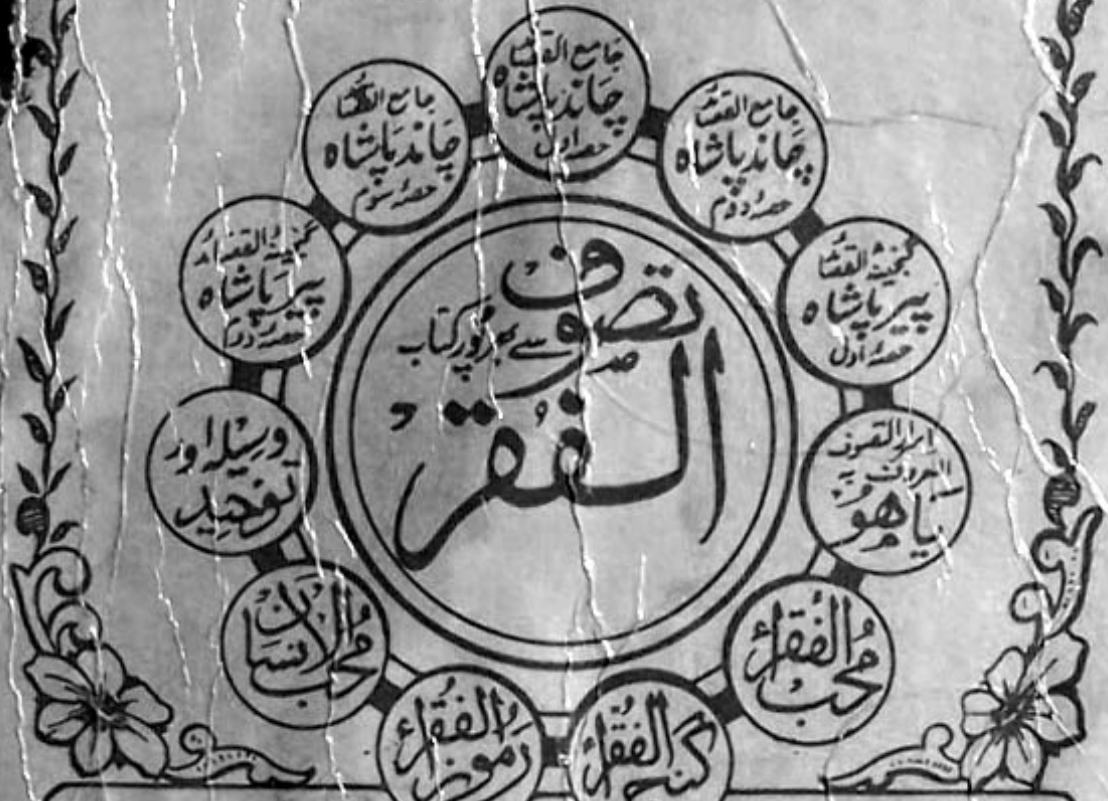

بنے کے لئے

حاجی فقیر سید محبوب جیش اللہ شاہ فاعی

2747 چکپیٹ، ڈوڈ بالاپور، کرناٹک 561203

و

ہمدرد بک ڈپو

5۔ کے۔ آر۔ سٹی مارکیٹ

بنگلور 560002

Al-Haj Faqeer Syed Mahaboob-Jaiyesh Ullasha Rafai,

H-No. 2747, CHICKPET, DODBALLAPUR 561203,

BANGALORE DIST., KARNATAKA—INDIA